بصیرت

حصّہ دوم

ناشر
مکتبۂ رضوان
لاہور

4170

Marfat.com

ذخیرہ صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری، نقشبندی مجددی

جو 2001ء میں میاں صاحب نے
پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطا فرمایا

PUNJAB
UNIVERSITY
LIBRARY
LAHORE

CLASS NO ....

BOOK NO ....

S-369—Punjab University Press—10,000—29-1-2003

Marfat.com

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۲۰)

بصیرت

حصّہ دوم

علامہ سید محمود احمد رضوی مُدیرِ رضوان کے تحریر کردہ

مذہبی۔ اخلاقی۔ اصلاحی۔ فقہی۔ تفسیری

مضامین کا قابلِ مطالعہ مجموعہ

ناشر
رضوان لاہور
گنج بخش روڈ لاہور

Marfat.com

فہرست مضامین بصیرت (حصہ دوم)

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
ٹائیٹل ـــــــــ "بصیرت"		**نکاح وطلاق کے اہم مسائل**	۴۳
فہرس	۲	عورت کو طلاق کا حق	″
شریعت اسلامیہ کا نفاذ	۴	یورپ میں طلاق کا مسئلہ	۵۱
لمحاتِ فکر	۹	تفویضِ طلاق	۵۳
حاضر جوابی	۱۳	طلاق کی صورتیں	۵۵
سوال و جواب	۱۵/۱۶	عدت ۔ عمر	۵۶
شافع شہِ ابرار ہے	۱۷	طلاقِ ثلاثہ	۵۹
مسئلہ شفاعت پر بحث	۱۹	تعدد ازدواج	۶۰
اسلام میں سنتِ رسول کا مقام	۲۵	عدل	۶۳
معلم کتاب	۲۷	**تجسس عیوب**	۶۴
تعلیم حکمت	۲۹	غیبت کی ممانعت	۷۵
رسول کی تشریعی حیثیت	۳۰	**نماز عبادت کا گوہر شاداب**	۷۶
وحی متلو و غیر متلو	۳۵	نماز کے برکات	۷۷
صحابہ کرام کا سنتِ رسول سے	″	فرائض نماز	″
استدلال و امتثال	۴۰	واجبات نماز	۷۹
قصیدہ بردہ شریف	۴۳	**ذکر و فکر**	۸۱

Marfat.com

87455

محبوب الٰہی	۸۱
دیانت کا معیار	″
ظالم کا حشر	۸۲
گناہوں کا علاج	۸۵
بدعت	″
مہر کیا ایک فضول رسم ہے	۸۷
مہر شرعی کی مقدار	۸۸
مہر کی قسمیں	۸۹
مہر کے احکام	۹۰
مہر مثل	۹۱
مہر کی ادائیگی	۹۲
حج ایک عظیم عبادت	۹۳
فضائل حج	۹۳
روضہ اقدس کی زیارت	۹۴
حج بدل کے مسائل	۹۵
ماہِ محرم کے احکام	۹۶
بیع وشرا کے احکام	۹۷
سود کی تعریف	
سود کی قسمیں	
سود کی قسمیں	
قرآن وحدیث میں سودی لین دین کی ممانعت اور اس پر وعید	۱۱۲
سود کی ممانعت کے متعلق حضورؐ کا خطبہ	۱۱۳
فرعون وکلیم	۱۱۴
واقعہ پیدائش حضرت موسیٰ اور فرعون سے مقابلہ	۱۱۶/۱۲۵
صدقات وخیرات	۱۲۶
صدقات وخیرات کے احکام ومسائل آداب اور شرائط	۱۲۷/۱۴۴
مسائل عید الفطر	۱۴۵
سفیر رسول حضرت عثمان	۱۴۷
محمد ابن عبدالوہاب نجدی اور علامہ شامی	۱۵۰
بعض اہم سوالات کے جوابات۔ سود، کوا، قسم کا کفارہ، زکوٰۃ ذات بدلنا۔	۱۵۴
بریلوی حضرات سے؟	۱۵۷

Marfat.com

شریعتِ اسلامیّہ کا نفاذ؟

بھٹو دور کے انتخابات اور تحریک نظام مصطفےٰ علیہ السلام کے منظر اور پس منظر پر اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بغیر کسی ابہام کے سامنے آتی ہے۔ وہ صرف اور صرف یہ ہی ہے کہ اس ملک کا ہر مسلمان خواہ وہ دینداری کے اعلیٰ درجہ پر ہو یا ادنیٰ پر بہر حال و بہر صورت اسلامی نظام کے سوا کسی ازم کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور یہ کہ پاکستان میں عوام کی محبوب و مطلوب اور مستحکم حکومت وہی ہو سکتی ہے اور ہو گی۔ جو حیلے، بہانے اور تاویلات فاسدہ سے اپنے دامن کو بچا کر محض رضاء الٰہی کے لئے خلوص قلب کے ساتھ اس خطۂ پاک میں شریعت اسلامیہ کو نافذ و جاری کر دے۔

مسئلہ اسلام کو پسند کرنے۔ اسلام کی خدمت کرنے کا دعوی کرنے یا قوم مسلم کے جذبات کو وقتی طور پر تسکین پہنچانے کے لئے اسلامی نظام کے نام لینے کا نہیں ہے۔ بلکہ عملی طور پر نظام اسلامی نافذ و جاری کر دینے کا ہے۔ پاکستان کے مسلمان صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ خطہ جس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ مقصد پورا ہونا چاہیے جو حکومت بھی اس مقصد کو پورا کر دے گی۔ اور مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے اس حکومت کے عمل و کردار سے اسلامی قانون نافذ جاری ہوتا نظر آئے گا۔ وہی حکومت بلاشبہ عوام و خواص کی مقبول و محبوب اور مضبوط و مستحکم حکومت قرار پائے گی۔ ظاہر ہے کہ ملک کی سرسبزی و شادابی کا باعث ایک مستحکم حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ کمزور اور غیر مقبول حکومت کی ساری توانیں اور صلاحیتیں اپنے اقتدار کی حفاظت

Marfat.com

بس صرف ہو جاتی ہیں۔ اور ملک و قوم کی فلاح و بہبود کا کام تقریباً معطل ہو جاتا ہے۔ ہمارا ملک اس وقت جس نازک اور خطرناک بحران سے دوچار ہے۔ اس کا واحد حل صرف یہ ہی ہے کہ یہاں اسلامی شریعت کو عملی طور پر نافذ و جاری کر دیا جائے

4170

محض ایک لیبل تھا؟ سرزمینِ پاک میں نظامِ مصطفےٰ علیہ السلام کے عملی نفاذ کے لیے پاکستان کے عوام و خواص نے خلوصِ قلب کے ساتھ بے مثال قربانیاں دیں حتیٰ کہ جانِ عزیز تک کو اس راہ میں نثار کر دیا۔ مگر اب کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں۔ تحریکِ نظامِ مصطفےٰ، بھٹو حکومت کے خاتمہ کے لیے تھی اور یہ مقصد حاصل ہو گیا ہے؟ تو کیا یہ سمجھا جائے نظامِ مصطفےٰ علیہ السلام کا نعرہ محض ایک لیبل تھا۔ اس مقدس نعرہ کے پردہ میں نیت صرف یہ تھی کہ اقتدار اور حکومت مل جائے اور بس۔ اگر کچھ لوگوں کا ایسا خیال ہے تو انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ نظامِ مصطفےٰ علیہ السلام کے نعرہ سے بغاوت اور فریب انہیں دین و دنیا میں ذلیل و رسوا کر دے گا۔ ایسے لوگ کبھی اپنے مقصدِ بد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ جو کوئی بھی اسلام سے منافقت کا برتاؤ کرے گا اور اس مقدس دین کو محض لیبل کے طور پر استعمال کر کے اپنی خواہشِ نفس کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش کرے گا، ذلت و رسوائی کے سوا اسے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ یہ اللہ رب العزت جل مجدہ کی سنت ہے اور اس کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔

اسلام نے ہر مسلمان کا یہ مذہبی دینی اخلاقی فرض قرار دیا ہے کہ وہ ہر دور میں اور ہر حال میں خلوص کے ساتھ محض رضائے الٰہی و رضاء رسول کے لئے حتی المقدور حق کی حمایت کے لئے سینہ سپر رہے۔ نیکی کی حمایت اور باطل کی سرکوبی کے لئے اپنی تمام ذہنی، فکری، جانی اور مالی قوتوں کو صرف کرتا رہے ——— حضور امام الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ جب قرآن و سنت اور شریعتِ اسلامیہ کے خلاف کوئی بات دیکھو تو اسے

اپنے ہاتھ سے مٹادو۔ اگر ہاتھ سے مٹانے کی قوت نہ ہو تو پھر زبان سے جہاد کرکے باطل کے تار پور بکھیر دو اور عوام تک حق کی آواز پوری دیانت داری اور خدا خوفی کے ساتھ پہنچادو اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہ لو اور اگر زبان سے صحیح بات کہنے میں ظلم وجور رکاوٹ بن جائے تو پھر دل سے باطل کو برا جانو۔ یہ آخری درجہ ضعیف الایمان افراد کے لئے ہے کہ کسی بری بات کو صرف دل سے برا جانا جائے ورنہ عزیمت یہ ہی ہے۔ حق کی حمایت واشاعت کی راہ میں باطل کی چٹانوں سے ٹکرا جاؤ۔ حتیٰ کہ اپنی جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کرنے کی ضرورت آجائے۔ تو اسے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ السلام کے دین کی حمایت اور اللہ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ وجاری کرنے کی جد وجہد میں صرف کر دو۔

تجلی حق جسے ذرا بھی نواز دے تو اس میں محبوبیت کا جوہر پیدا ہو جاتا ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام کی ذات اللہ تعالیٰ کی ایک آسان سی تجلی کے شرف سے مشرف ہوئی تو ماہ جبینانِ مصر نے حسنِ یوسفی کی تاب نہ لاکر اپنی انگلیاں کاٹ لیں ——— لیکن جس ہستی مقدس کو رب العلمین اپنی ذات وصفات کا مظہر کامل ہونے کا شرف عطا فرمادے اور اس کی ذات تجلیِ حق کی کامل ومکمل جلوہ گاہ بن جائے تو ایسی ہستی محبوبِ مطلق اور مطلوبِ کل کے درجہ پر فائز ہو جاتی ہے اور پھر اس کے جمال وجلال کی عظمت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت خالق حسن وجمال کا محبوب اور ساری خدائی کا مطلوب بن جاتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حسنِ یوسفی پہ انگلیاں کٹیں اور حسنِ محمدی پر سر کٹ گئے۔ جان ودلِ قربان ہوگئے۔

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زنان
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

اب تاریخ کے اوراق سامنے لائیے۔ دیکھئے لاکھوں کروڑوں مسلمان عشق ومحبت رسول میں مخمور وبے خود ہیں۔ سینکڑوں مسلمان اپنی عزیز جانوں کو نثار کرچکے ہیں۔ یہ جاں نثاری

Marfat.com

حصولِ مملکت و دولت کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے دین نظامِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے قیام کے لئے ہے۔ فرزندانِ اسلام کو نظامِ مصطفےٰ میں اللہ کے محبوب اور سب کے مطلوب حضور سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکرِ حسین بے حجاب و بے نقاب نظر آرہا ہے جمالِ رسول نظامِ مصطفےٰ کے رنگ میں اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ ریز ہے۔ پروانے آرہے ہیں۔ اور یہ کہہ کر

وہ حسن مرے پیشِ نظر ہے جسے اگر
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

پروانہ وار اپنی جانیں نثار کر رہے ہیں اور جنت میں حوروں نے ان عاشقانِ رسول کی انتظار میں اپنی آنکھیں بچھا رکھی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ خلوص و محبت کے ساتھ کسی ظالم، جابر، بے غیرت، بے حیا، عیاش، فاسق فاجر، زانی شرابی بے مروت، دھوکہ باز کی حمایت آج تک کسی نے نہ کی اور نہ اس کی حمایت میں جان دی ہے۔ اگر ساتھ دیا بھی ہے تو عہدہ و منصب اور دولت وزارت کے لالچ میں ہی دیا ہے، یزید کے حمائتیوں میں ایک بھی یزید سے محبت و عقیدت نہیں رکھتا تھا۔ سب کے سب دولت اور عہدہ کے بھوکے تھے اور اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی تکمیل کی امید میں امامِ برحق، آفتابِ عزیمت، پیکرِ حریت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ مگر دوسری طرف امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جو نفوسِ قدسیہ میدان میں آئے۔ وہ سب کے سب مخلص، عقیدت مند امام کے شیدائی و فدائی تھے۔ ان کے قلب میں عشقِ امام عظمتِ امام، احترامِ امام کے سوا کوئی جذبہ نہ تھا۔ یہ ہی وجہ ہے۔ یزید اور اس کے ساتھی کتے کی موت مر گئے۔ ان کا نام و نشان مٹ گیا اور آج بھی کوئی مسلمان بضرورت یزید کا نام لیتا ہے تو نفرت و حقارت کے ساتھ —— اس کے برعکس سیدنا امام حسین علیہ السلام کا نام اقدس عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ ان کے اور ان مقدس ساتھیوں کے ذکر سے قلبِ مسلم نورِ ایمان کی دولت پاتے ہیں اور بحضور امام آج بھی مسلمان اپنے سر کو عقیدت و احترام کے ساتھ جھکانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ فرق و امتیاز جو حق والوں اور حق کا ساتھ دینے والوں اور باطل والوں اور باطل کا ساتھ دینے والوں میں ہے۔

Marfat.com

یہ حقیقت نہ صرف تاریخ کے صفحات پر بلکہ ہر قلبِ مسلم میں ثبت ہو جاتی ہے اگر کوئی ظالم جابر یزید کے انجام سے عبرت نہ حاصل کرے تو یہ اس کی کور باطنی اور ضمیر کے مردہ ہونے کی دلیل ہے۔

عبرت تیس سال کے طویل عرصہ میں چشم تحیر نے کیا۔ کیا۔ نقشے۔ ابھرتے بنتے اور بگڑتے دیکھے۔ اس طویل دور میں یہ ہی ہوا اور شاید ایسا ہی ہوتا رہے۔ وقت کی گردش کبھی تمام نہیں ہوتی۔ ہستی آنکھ کو رونا پڑتا ہے اور مسکراتے ہونٹوں سے تبسم چھن جاتا ہے۔ شاخِ گل سے خون ٹپکتا ہے، تریاق زہر بن جاتا ہے، نشیب و فراز، کمال و زوال کے مناظر بہر حال بہر صورت ہم روز دیکھتے ہیں۔ ان کی نوعیت و کیفیت اور اسباب و علل سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ مگر عبرت حاصل نہیں کرتے۔

تکبر غرور غرور حسن و جمال کا ہو فضل و کمال کا ہو۔ علم و حکمت کا ہو۔ حکومت و ریاست کا ہو۔ دولت و ثروت کا ہو، راس کسی کو آیا ہے ؟ تم کوہ علم ہو۔ فضل و شرف کا خزینہ اور شہرت و شوکت کا گنجینہ ہو۔ ہو تو سب کچھ۔ مگر کچھ بھی نہیں۔ جلال و جمال، عظمت کبریائی۔ تکبر اور بڑائی۔ تو صرف ایک ذاتِ مقدس کو سزاوار ہے۔ جو رب العلمین ہے۔ رحمٰن و رحیم بے نیاز، کارساز خالق و مالک اور رازقِ کائنات ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں اس کے حکم کے بغیر ایک تنکا بھی پر نہیں مار سکتا۔ بندے کی خوبی اور عظمت تو صرف عجز و انکساری میں ہے۔ عبدیت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ہر لمحہ ہر آن ربِ کائنات کے حضور اپنی عبدیت و تذلل کا اعتراف و اقرار کرتا رہے اور کسی کو اپنے سے کم تر نہ خیال کرے۔ ؎

زاہد نگاہ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ
کیا جانے اس کریم کو تو ہے کہ وہ پسند

Marfat.com

لمحات فکر

نظام مصطفٰے علیہ التحیتہ والثناء یہ بات باعث مسرت بھی ہے اور تحریک نظام مصطفٰے علیہ السلام کی مقبولیت کی دلیل بھی ہے کہ اخبار ورسائل میں اس موضوع پر مضامین کا سلسلہ جاری ہے اور اسلام کے معاشی نظام اور عدلیہ اور حدود و تعزیرات ایسے امور زیر بحث آ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نظام مصطفٰے پر نقد و نظر کے لئے دین کا کامل و مکمل علم ضروری ہے۔ کچھ حضرات اس سلسلہ میں ایسی باتیں لکھ رہے ہیں۔ جو دلائل شرعی کی روشنی میں درست نہیں نوائے وقت میں زکوٰۃ سے متعلق ایک فاضل قانون دان کا مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں انہوں نے زمین ہاکتی مکان غرضیکہ ہر چیز میں زکوٰۃ کو لازم و واجب قرار دیا تھا۔ یہ صورت حال ایسی ہے جو عوام میں غلط فہمیاں پیدا کر سکتی ہے۔ اس کے تدارک کی طرف توجہ دینا نہایت ضروری ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ نظام مصطفٰے علیہ التحیتہ والثناء کی علمبردار جماعتیں۔ مرجع فتاوی علماء اور اسلامی ذہن رکھنے والے دانش ور و ماہرین قانون پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کر دیں۔ اس کمیٹی کو اس سلسلہ کی تمام ضرورتیں مہیا کر دی جائیں۔ یہ کمیٹی اس سلسلہ میں شائع ہونے والے مضامین کا تجزیہ کرے اور کتاب وسنت و اجماع امت کی روشنی میں مسائل کی صحیح و درست حیثیت متفقہ طور پر متعین کر کے اس کی اشاعت عام کا انتظام کرے۔ اگر ایسا کر دیا گیا تو نظام مصطفٰے علیہ السلام کے صحیح خدو خال عوام کے سامنے آ جائیں گے اور عوام غلط فہمی کا شکار نہ ہوں گے۔

بھاری بھرکم مہر جناب اشرف صاحب نے روزنامہ نوائے وقت لاہور مجریہ ۲۳ اکتوبر میں مہر کے متعلق ذیل کے امور کی نشاندہی کی ہے۔ مہر شادی بیاہ کے مسرفانہ رسم و رواج کی طرح ہے۔ بھاری بھرکم مہر کا مطالبہ کوئی اخلاقی و

شرعی جواز نہیں رکھتا۔ شریعت کے تقاضوں نے لوگوں نے من مانی کر کے توڑ مروڑ کر مہر کی صورت کو مسخ کر دیا ہے۔ یہ تمام باتیں اشؔ صاحب نے ایک ہی سانس میں لکھدی ہیں اور اپنے ان دعوؤں کی ثبوت میں نہ کوئی آیت لکھی ہے نہ حدیث جو ان کے مزاج میں آیا ہے تحریر کر دیا ہے۔ انہوں نے یہ عجیب و غریب بات بھی لکھی ہے کہ اسلام نے مہر کی ادائیگی کو لازم رکھا ہے۔ جس کے بغیر کوئی شادی جائز نہیں۔ اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ اسلام نے بہر حال مہر کی ادائیگی کو لازم و واجب قرار دیا ہے۔ مگر شادی جائز نہیں۔ یہ نامعلوم کون سے اسلام کا ضابطہ ہے۔ اصل مسئلہ تو صرف یہ ہے کہ اگر بوقتِ نکاح مہر کی بالکل نفی کر دی جائے تو بھی نکاح جائز ہے اور مہر لازم۔ مہر کا نکاح کے جواز و عدم جواز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اشؔ صاحب نے لکھا ہے کہ مہر برائی کی صورت اس وقت اختیار کرتا ہے جب بھاری بھر کم مہر کا تقاضا کیا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے اسے برائی کی شکل قرار دینا کیوں صحیح ہے ایک عورت سے آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں وہ کہتی ہے میں راضی ہوں مگر مہر ایک لاکھ روپیہ ہوگا۔ اس مطالبہ و تقاضہ میں کیا کسی سلیم العقل کو خرابی نظر آتی ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قرآن مجید میں قنطارًا کا ارشاد موجود ہے اور یہ تو مرضی کا سودا ہے اگر ایک لاکھ مہر کا مطالبہ کرنے والی عورت کی بات منظور نہیں تو جو کم مہر پہ راضی ہے۔ اس سے نکاح کر لو۔

لیکن اشؔ صاحب یہ چاہتے ہیں کہ جیسے جہیز کی مقدار پہ پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ اسی طرح مہر کی مقدار پہ بھی پابندی عائد کر دی جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو حقوقِ انسانیت سے بھی محروم کر دیا جائے اور جس عورت سے نکاح کرنا ہو۔ وہ اگر بھاری بھر کم مہر کا مطالبہ کرے تو اسے قانوناً مجبور کر دیا جائے کہ وہ ڈھائی آنے مہر پہ راضی ہو کر نکاح کر لے۔ دراصل اس قسم کے مضحکہ خیز شوشے محض اس لئے چھوڑے جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے شریعت اسلامیہ کے

Marfat.com

واضح احکام کی حرمت و عزت کا جذبہ مضمحل ہو جائے۔

شراب نوشی کی سزا

نوائے وقت ۲۵ جون ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر عبد الغفور سلیم صاحب نے شرابی کی سزا کے متعلق ایک طویل مضمون میں یہ تاثر دیا ہے کہ شراب نوشی کی سزا کے بارے میں صحابہ کرام و فقہاء کے درمیان اجماع یا مکمل اتفاق نہیں ہے اور یہ کہ حالات اور ماحول کے تقاضوں کے مطابق سزا میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ محض ایک مغالطہ ہے۔ خود انہوں نے اس سلسلہ میں جو روایات و آثار نقل کئے ہیں۔ ان سے بھی ان کے دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ شراب نوشی کی سزا کو فقہاء امت میں سے کسی نے تعزیر سے موسوم نہیں کیا۔ بلکہ حدؔ سے موسوم کیا ہے تعزیر۔ قاضی کی رائے پر موقوف ہوتی ہے۔ جن جرائم کی سزا قاضی کی رائے پر موقوف ہوتی ہے۔ اس میں حالات ماحول۔ مجرم کی اخلاقی و مذہبی پوزیشن اور اس کے مزاج و طبیعت کے مطابق سزا میں کمی بیشی۔ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ مگر حدود میں کسی حال اور کسی مرحلہ پر بھی تبدیلی جائز نہیں ہے۔ فقہاء امت کا شراب نوشی کی سزا کو حدؔ سے موسوم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ثبوت قطعیات سے ہے۔ ورنہ اسے حد سے موسوم نہ کرتے۔ جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے۔ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شراب نوشی کی حد بصورت ضرب پر تمام صحابہ کرام و آئمہ دین کا اجماع ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ضرب کی کیفیت یہ تھی کہ جوتے تھپڑ اور کپڑے کو بٹ کر ضربات پہنچائی جاتی تھیں۔ جن کی تعداد چالیس ہوتی تھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس کوڑے حد جاری فرمائی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں اسی کوڑے حد مقرر کی۔ نیز متعدد قولی احادیث میں

Marfat.com

حضور علیہ السلام نے شراب نوش کی حد چالیس کوڑے ارشاد فرمائی (مسلم)

ائمہ احناف کا موقف یہ ہے کہ دورِ فاروقی میں شراب نوشی کی حد اسی درے ہونے پر اجماع ہو گیا۔ لہٰذا تعداد میں بھی اضافہ یا کمی نہیں کی جا سکتی۔

بہر حال شراب نوش کی حد۔ بصورت (ضرب) کوڑے پر خلفاء راشدین صحابہ کرام و ائمہ دین و علماء امت کا اتفاق ہے۔ اس معاملہ میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ ہاں یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ کوڑوں کی تعداد چالیس ہو یا اسی۔ یہ اختلاف بالکل اسی طرح کا ہے جیسے چور کی سزا ہاتھ کاٹنے پر تو اجماع ہے البتہ نصاب کے متعلق اختلاف ہے۔

احناف کے ہاں دس درہم۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ ربع دینار اور امام مالک علیہ الرحمہ تین درہم کی مالیت چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم لگاتے ہیں۔ دیکھئے چور کی سزا قطع ید پر سب کا اجماع ہے۔ مگر جو چیز چرائی گئی ہے اس کی مقدار میں اختلاف ہے لہٰذا اس مقدار کے اختلاف کی بنیاد پر یہ کہنا ہرگز درست نہیں ہے کہ آئمہ اربعہ کے درمیان چور کی سزا (حد) میں چونکہ اختلاف ہے لہٰذا زمانہ و ماحول کے مطابق چور کی حد (سزا) میں تبدیلی جائز ہے۔ یہی حال شراب نوش کی حد کا ہے۔ شراب نوش کی حد بصورت ضرب پر سب کا اتفاق و اجماع ہے۔ البتہ تعداد چالیس کوڑے ہوں یا اسی، اس میں اختلاف ہے۔ لہٰذا اس اختلاف کی بنیاد پر یہ قول کرنا صحیح و درست نہیں ہے کہ شراب نوش کی حد کے متعلق صحابہ کرام و فقہاء میں مکمل اتفاق نہیں ہے لہٰذا شراب نوش کو ضرب (کوڑے) کی سزا کی بجائے قید و جرمانہ کی سزا دی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

حاضر جوابی

شیخ المحدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ محدّث بھی تھے۔ مفسر بھی، فلسفی بھی تھے اور نہایت حاضر جواب بھی۔ ان کے علمی و دینی لطائف میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) مسٹر مٹکاف نامی کوئی انگریز حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں دلّی کے کسی بڑے عہدے پر متعیّن تھا۔ اس کے ہاں ایک پادری آکر ٹھہرے۔ مسٹر مٹکاف نے پادری صاحب سے کہا کہ "شاہ صاحب کو ہراؤ تو جانیں، اگر ہرا دو تو تمھیں دو ہزار روپے دوں گا۔ ورنہ تم دو ہزار روپے مجھے دینا۔" پادری صاحب راضی ہو گئے، اور پہنچے مسٹر مٹکاف کے ساتھ شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ "کہیے جو کہنا ہے" پادری صاحب نے کہا "میں اپنی بات کا جواب معقول چاہتا ہوں منقول اور کتابی نہیں چاہتا" شاہ صاحبؒ نے فرمایا "منظور ہے، کسی کتاب کا نام نہیں لوں گا"۔ پادری صاحب نے پوچھا کہ "یہ کیا ماجرا ہے کہ آپ کے پیغمبر اللہ کے محبوب ہیں اور امام حسینؓ ان کے نواسے تھے۔ جنھیں وہ بے حد چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ محبوب کا محبوب شہید کر دیا گیا۔ نہ اللہ ہی نے خود پرواہ کی اور نہ اللہ کے محبوب نے اسے توجہ دلائی ؟" شاہ صاحب نے فرمایا "ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ تو دلائی تھی، لیکن اللہ نے جواب دیا۔ میاں تمھیں اپنے نواسے کی پڑی ہے، یہاں کم بختوں نے میرے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو سولی پر چڑھا دیا۔ مجھے ذرا اس فکر سے تو فارغ ہو لینے دو۔"

(۲) دہلی کا رزیڈنٹ شاہ صاحبؒ سے ملنے آیا اور باتوں باتوں میں کہنے لگا۔ جناب میں نے ایک سوال کئی عالموں سے کیا۔ مگر کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ملتا۔ آپ بھی

Marfat.com

غور کیجئے۔ سوال یہ ہے کہ "ایک مسافر راستہ بھول گیا۔ اس نے دیکھا ایک شخص سامنے پڑا سو رہا ہے اور ایک شخص اس کے برابر بیٹھا ہے، اب مسافر سوتے سے راستہ دریافت کرے یا جاگتے سے؟" شاہ صاحبؒ سوال کی تہ کو پہنچ گئے۔ سوتے سے ریزیڈنٹ کی مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے، اور جاگتے سے حضرت عیسٰی علیہ السلام۔ شاہ صاحب نے فوراً جواب دیا۔ "راستہ سوتے سے پوچھنا ہوگا۔ وہ جاگنے والا خود اس انتظار میں بیٹھا ہے کہ سونے والا اٹھے تو اس سے راستہ پوچھے۔ مسافر کو چاہیے کہ وہ بھی سونے والے کے اٹھنے کا انتظار کرے۔

(۳) ایک شخص نے عرض کی کہ "محفلِ رقص و سرور میں انسان رات بھر جاگتا رہتا ہے۔ لیکن اللہ کی عبادت میں نیند آنے لگتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے" شاہ صاحبؒ نے فرمایا "دو پلنگ ہوں، ایک پہ کانٹے بچھے ہوں اور ایک پر پھول، نیند کس پر آئے گی، اس نے عرض کیا "پھول والے پلنگ پر" فرمایا "بس رقص و سرور کی محفل کانٹوں والے پلنگ کے مثل ہے، اور اللہ کی عبادت پھول والے پلنگ کی مثل"۔

(۴) ایک انگریز عربی فارسی جاننے والا جامع مسجد میں آیا۔ شاہ صاحبؒ جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے، وہ انگریز وعظ سننے لگا اور تھوڑی دیر بعد بلند آواز سے اس نے یہ شعر پڑھا ؎

کسے بگفت کہ عیسیٰؑ ز مصطفٰےؐ اعلیٰ است
کہ ایں بزیرِ زمیں دفن و آں بہ اوجِ سماست

شاہ صاحب نے اسی وقت یہ شعر پڑھ دیا ؎

بگفتش کہ نہ ایں حجتِ قوی باشد
حباب بر سرِ آب و گہر تہہ دریا است

(۵) شیعوں کے ایک بڑے عالم تشریف لائے اور فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیوی عائشہ رضؓ کے جنتی ہونے کی بھی آپ کے پاس کوئی دلیل ہے؟" شاہ صاحبؒ نے پوچھا "آپ نے فلاں کتاب پڑھی ہے؟" شیعہ عالم نے جواب دیا "ہاں کیوں نہیں۔ بڑی

Marfat.com

مستند کتاب ہے"۔ کہا "اس کتاب میں لکھا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی حیلہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کو چوم لیا تھا اور اس چومنے کی وجہ سے وہ جنتی ہو گیا"۔ شیعہ عالم نے کہا "صحیح ہے"۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا "جب یہ بات ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنتی ہونے میں کیا شبہ ہے۔ انہوں نے ایک بار سے زیادہ بار مُہر نبوت کو دیکھا اور چوما ہوگا۔ وہ رسول اللہؐ کی بیوی تھیں۔

(۶) ایک انگریز نے شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ "ہماری قوم کے سینکڑوں آدمی ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ایک رنگ اور ایک روپ کے نظر آئیں گے۔ آپ کی قوم میں کوئی گورا، کوئی کالا، کوئی سانولا اور کوئی کسی طرح کا کیوں ہے؟" فرمایا" "گدھے سب یکساں ہوتے ہیں اور گھوڑے مختلف، کوئی سبزہ، کوئی کمیت، کوئی سمند اور کوئی نقرہ

✡✡✡✡✡✡✡✡

سوال و جواب

جائز رسمیں حکیم محمد سعید صاحب دہلوی آف ہمدرد اکیڈمی نے۔ رسموں کی پابندی، نامی کتابچہ میں لکھا ہے۔ جن رسموں کو علماء دین نے جائز و مباح قرار دیا ہے۔ وہ بھی ضروری واجب العمل اور فرض تو نہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے اور اس پر ہمیں بار بار غور کرنا چاہئے کہ ایسی رسمیں جو نہ ضروری ہوں اور نہ فرض بلکہ جن کو صرف جائز کہا جا سکتا ہو ان پہ اصرار آخر کہاں کی علقمندی ہے۔ آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ عبدالسلام بی اے کراچی۔

الجواب ممکن ہے حکیم صاحب نے ایک مکتبۂ فکر سے متاثر ہو کر تصویر کا صرف ایک رخ پیش کر دیا۔ تصویر کا دوسرا رُخ جسے پیش کرنا بھی ضروری تھا وہ یہ ہے کہ جو کام اور رسمیں جائز و مباح ہیں اور قرآن و حدیث سے ان کا ناجائز ثابت نہیں ہے۔ انہیں حرام و

Marfat.com

بدعت قرار دینا بھی عقلمندی نہیں۔ بلکہ اللہ و رسول پر افتراء کے مترادف ہے۔

حضور کا ذکر رضوان کے چند شمارے مطالعہ میں آئے مضمون خواہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق ہو اسمیں حضور کی مدح و ثناء کا تذکرہ ضرور آجاتا ہے

الجواب: اگر آپ کو اس سے کیوں تکلیف ہوتی ہے ہ حضور سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم کی مدح و ثنا کسی رشید کو بری لگے یہ ناممکن ہے۔ بہر حال یہ اپنا اپنا مقدر ہے۔ اپنا اپنا نصیب۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عالم خلق میں صرف اور صرف حضور سرور دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وہ طاہر و مطہر معصوم شخصیت ہے۔ جو حقیقی معنوں میں سزاوار مدح و ثناء ہے اور آپ کی مدح و ثنا ہی سرمایہ آخرت اور روح دین ہے۔ آپ کے ذکر و تصور کے بغیر تو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی مقبول و محمود نہیں ہے۔

مغز قرآن روح ایمان جان دین
ہست حب رحمۃ اللعٰلمین

تہدیہ

استاذ مکرم والد محترم امام العلماء صدر الفضلا حضرت مولانا الحاج علامہ ابو البرکات

سید احمد شاہ صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ

ناظم دار العلوم حزب الاحناف کی خدمت اقدس میں جن کی مقدس تربیت سے

راقم الحروف اس کار خیر کے لائق ہوا

Marfat.com

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

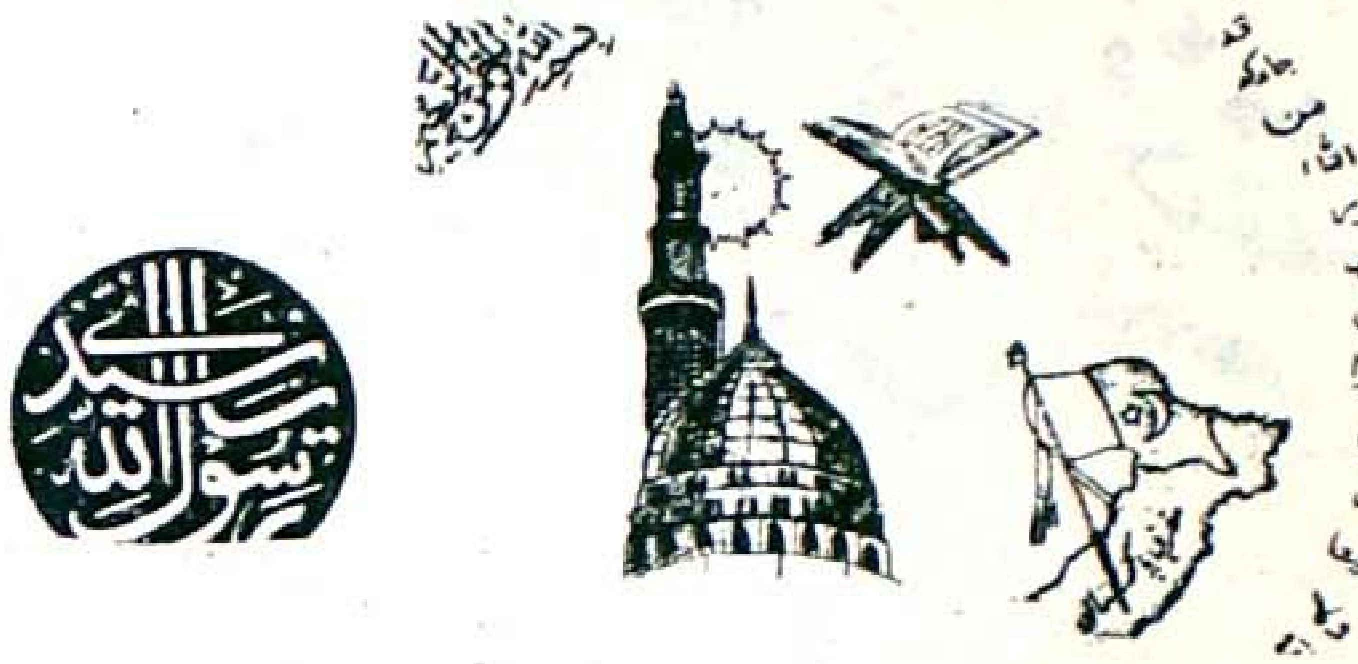

شاہنشہِ ارض و سما بلغ العلیٰ بکمالہ

وصفِ رخِ او والضحیٰ کشف الدجیٰ بجمالہ

قرآں باخلاقش گواہ حسنت جمیع خصالہ

صدقاً یقیناً گر اسخا صلوا علیہ وآلہ

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

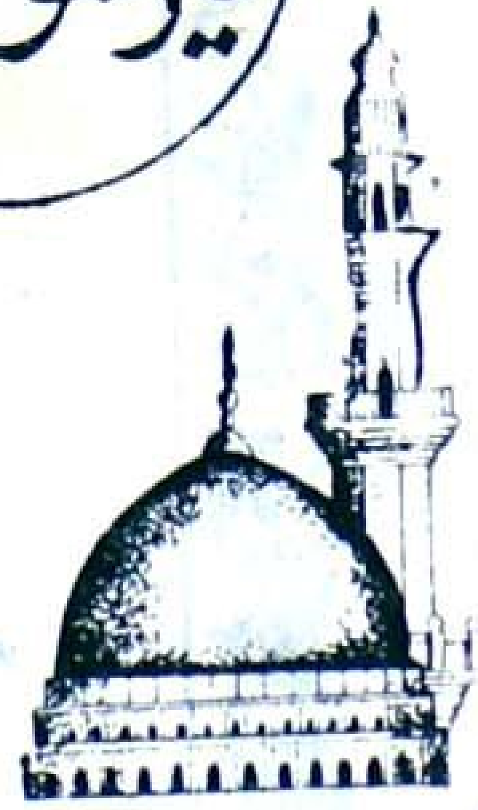

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۳۹۰ھ

جن کو سوئے آسماں پھیلا کے جل تھل بھر دیے
صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

Marfat.com

شافعِ شہِ ابرار ہے

بخاری شریف میں جناب انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے۔

"روزِ قیامت مومنین جمع کیئے جائیں گے۔ کہیں گے کاش بحضورِ رب العالمین کوئی شفاعت کرنے والا تلاش کرتے جو ہمیں ہمارے اس مکان سے راحت دیتا تب حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہیں گے"۔

"اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ آپ کو ہر چیز کے اسمار کا علم دیا۔ آپ ہماری اللہ کے حضور میں شفاعت کیجیے"۔

حضرتِ آدم فرمائیں گے میرا کام نہیں ہے تم حضرت نوح کی خدمت میں جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں جو زمین کی طرف بھیجے گئے۔ لوگ جناب نوح کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ شفاعت ہوں گے۔ حضرتِ نوح حضرت ابراہیم کی خدمت میں بھیج دیں گے۔ حضرت ابراہیم بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ وہ جناب موسیٰ کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیں گے۔ پھر یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب شفاعت ہوں گے تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے یہ میرا منصب ہے ہے۔ تم لوگ حضرت سید الانبیار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں جو خدا کے عبدِ خاص ہیں معصوم نبی ہیں۔

اب یہ لوگ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ شفاعت ہوں گے۔ حضور سید المرسلین خاتم النبیین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"جب یہ لوگ میرے حضور حاضر ہوں گے تو میں اپنے رب سے اِذنِ شفاعت چاہوں گا اور مجھے حضوری کی اجازت ملے گی۔ جب میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گا۔ سجدہ میں گر جاؤں گا اور جب تک اللہ چاہے گا، اسی حال میں رہوں گا۔ پھر اللہ رب العزت فرمائے گا۔

Marfat.com

اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ - وَ قُلْ تَسْمَعْ وَ سَلْ تُعْطَهْ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ

(بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۱ مجتبائی)

"سر اٹھایئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بات کہئے سنی جائے گی اور سوال کیجئے جو آپ مانگیں گے وہ آپ کو دیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے آپ کی قبول کی جائے۔

حضور فرماتے ہیں پھر میں اپنے رب کی ان محامد کے ساتھ حمد کروں گا جو اس نے مجھے تعلیم فرمائی پھر میں شفاعت کروں گا، اور میرے لیے حد مقرر کی جائے۔ بس میں ان کو جنت میں داخل کروں گا پھر بحضور رب العالمین رجوع کروں گا، سجدہ کروں گا پھر سر اٹھانے پر مذکورہ بالا ندا آئیگی میں اپنے رب کی حمد کروں گا، پھر کہا جائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سر اٹھایئے جو فرمانا ہو فرمایئے سنا جائے گا جو مانگنا ہو مانگیے دیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پھر میں اپنے رب کی حمد کروں گا۔ پھر شفاعت کروں گا، میرے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی۔ پس میں ان کو جنت میں داخل کراؤں گا۔ پھر بحضور رب العالمین رجوع کروں گا مجھے اپنے رب کا دیدار ہو گا۔ سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر سر اٹھانے کی ندا آئے گی اور فرمایا جائے گا، کہئے سنا جائے گا شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ مانگیے جو آپ مانگیں گے دیا جائے گا۔ پھر میں اپنے رب کی ان محامد کے ساتھ حمد کروں گا جو اس نے مجھے تعلیم فرمائی۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی۔ پھر میں اپنے رب کی طرف رجوع کر کے عرض کروں گا۔

الٰہی دوزخ میں سوائے ان کفار کے کوئی باقی نہ رہا جو بحکم قرآن جہنمی ہیں اور جن کا خلود اور ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو اور اس کے دل میں دانہ گندم کے برابر اور ذرہ کے برابر اور جو بھر بھی ایمان ہو گا، جہنم سے نکال لیا جائے گا۔" (بخاری شریف)

اس حدیث میں یَجْمَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ ہیں یعنی شفاعت طلب کرنے والے مؤمن ہوں گے معلوم ہوا کہ طلب گار شفاعت نہ ہونا کفار کی شان ہے۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ لوگ روز قیامت جماعت جماعت ہو جائیں گے، ہر امت

Marfat.com

اپنے نبی کی پیرو ہو کر عرض کرے گی۔

یَقُوْلُوْنَ یَا فُلَانُ اشْفَعْ یَا فُلَانُ اشْفَعْ حَتّٰی تَنْتَهِیَ الشَّفَاعَۃُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری ج ۲ پ ۱۹ ص ۶۸۶)	یا حضرت شفاعت فرمایئے، یا حضرت شفاعت فرمایئے (پھر ان کی رہنمائی سے سلسلہ وار تمام انبیاء کے پاس ہوتی ہوئی شفاعت حضور علیہ السلام تک پہنچے گی۔

• واضح ہوا کہ اوّلین و آخرین میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو طلب گار شفاعت نہ ہو جس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ شفاعت کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس پر تمام عالم کے مومنین زمانہ آدم علیہ السلام سے قیامت تک کے ایمانداروں کا اجماع ہے اور ان مومنین میں سے کسی کو بھی نہ شفاعت کا انکار ہے اور نہ تردد۔

• تمام انبیاء کرام کی بارگاہوں سے ہو کر لوگوں کا حضور کی خدمت میں آنا حضور کا وہ اعزاز و اکرام ہے جو آپ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے جواب میں حضور یہ نہیں فرماتے کہ میں تو بے اختیار ہوں تمہاری حمایت نہیں کر سکتا بلکہ فرماتے ہیں تو یہ:۔

فَاَقُوْلُ اَنَا لَھَا (بخاری)	ہاں میں تمہاری شفاعت کے لئے ہوں

سبحان اللہ امیدواروں کی تسلّی فرمادی کہ شفاعت ہمارا منصب ہے اور آج تمہاری حاجت روائی ہمارا کام ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کے اعزاز و اکرام کی انتہا یہ ہے کہ عرصاتِ محشر میں تمام انبیاء کرام حضور ہی سے امتوں کی شفاعت طلب کرنے کے لئے حاضر ہوں گے حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اسی انتظار میں کھڑا ہوں گا کہ میری امت صراط پر گذرے اتنے میں جناب عیسٰی علیہ السلام حاضر ہو کر عرض کریں گے۔

یَا مُحَمَّدُ ھٰذَا الْاَنْبِیَاءُ قَدْ جَاءَ تْكَ۔	اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام انبیاء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر

درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ تمام امتوں کو جہاں چاہے متفرق فرما دے تاکہ جس مصیبت میں وہ ہیں اس سے نجات ملے۔

Marfat.com

• علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں

اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ جَمِیْعًا یَسْئَلُوْنَہٗ فِیْ ذَالِکَ۔ (فتح الباری ص۱۹۶) تمام انبیاء کرام جمع ہوکر حضور علیہ السلام سے درخواست شفاعت کریں گے۔

• امام محی الدین نودی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ لوگوں کی درخواست پر حضور علیہ السلام کا بے تامل آمادۂ شفاعت ہوجانا اور لوگوں کی درخواست قبول فرمانا بدیں سبب ہے کہ حضور

اِنَّ ھٰذِہِ الْکَرَامَۃَ وَالْمَقَامَ لَہٗ (صلی اللہ علیہ وسلم) خَاصَّۃً۔ (مسلم ج۱ ص۱۱۱) بیقین جانتے ہیں کہ یہ عزت و منزلت آپ کے لئے مخصوص ہے۔

• اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ سب سے پہلے دروازہ شفاعت حضور ہی کے لئے کھلے گا، حضور سے قبل کسی کو مجال شفاعت نہ ہوگی ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانیوالی ہے

پھر حضور فرماتے ہیں۔

اُخْرِجُھُمْ مِنَ النَّارِ فَاُدْخِلُھُمُ الْجَنَّۃَ (بخاری) میں انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردوں گا۔

گویا حضور کی شانِ شفاعت یہ ہے کہ حضور خود مومنین کو جہنم سے نکالیں گے اور جنت میں داخل فرمادیں گے یہ اختیار نہیں تو اور کیا ہے۔

• پھر اللہ رب العزت جل مجدہ کے حضور میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام یہ ہے کہ حضور سربسجود ہیں۔ ابھی حرفِ شفاعت زبانِ اقدس پر نہیں آیا ہے۔ ابھی لفظ سوال عرض نہیں کیا گیا کہ رحمت حق نے سبقت کی اور اپنے محبوب رسول کی دلداری و رضاجوئی کے لئے فرمایا:

"اپنا سر اٹھایئے، شفاعت کیجئے، قبول کی جائیگی۔"

ہاں ہاں! عرصات محشر میں سرفرازانِ عالم انبیاء و مرسلین کا مقدس و معصوم گروہ لب کشائی کی جرأت نہیں کرتا مگر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت و منزلت یہ ہے کہ اپنے مقصد کے لئے جنبش لب بھی نہ ہوئی تھی کہ ندا الٰہی آتی ہے۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سر اٹھایئے۔ مانگیے۔ شفاعت کیجئے۔ دیا جائے گا، سنا جائے گا۔"

87455

Marfat.com

تسأل فتعطی تشفع فتشفع | مانگیئے آپ دیے جائیں گے سفارش
لیس احدا الا تحت لوائك | کیجئے وہ قبول کی جائے گی سبھی آپ کے
(عینی ج ۲ ص ۱۳۱) | جھنڈے تلے ہیں۔

• حدیث زیر بحث میں ہے کہ لوگ درجہ بدرجہ انبیاء کرام کی بارگاہوں سے ہوتے ہوئے بحضور نبوی حاضر ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ابتداء ہی میں حضور کی خدمت میں کیوں نہ بھیج دیا تاکہ لوگ جلد اپنا مقصد پا لیتے۔ پھر طلبِ شفاعت تو لوگ بالہام الٰہی کریں گے، جیسا کہ مسلم شریف میں ہے

فَيُلْهَمُوْنَ لِذَالِكَ (مسلم ج ۱ ص ۱۰۸) ان کو اس امر کا الہام کیا جائے گا۔

والہام میں کیوں نہ بتا دیا گیا کہ حاجت روائی صرف اور صرف حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے ہوگی۔

اس کی حکمت میں علامہ نووی نے فرمایا۔ انبیاء بالیقین یہ جانتے ہیں کہ صاحبِ شفاعت حضور سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ہر ایک نبی کا دوسرے کی طرف بھیجنا اس لئے ہے کہ لوگ ایک کی شفاعت سے دوسرے کے پاس اور دوسرے کی شفاعت سے تیسرے کے پاس اسی طرح سلسلہ بسلسلہ بحضورِ نبوی باریابی حاصل کریں اور حضور کی توجہ اور نظرِ کرم کے لئے حضور کی بارگاہ میں انبیاء کی شفاعتیں لائیں (نووی ج ۱ ص ۱۱۱)

اللہ رب العزت جل مجدہٗ نے اہلِ محشر کو حضرت آدم اور ان کے بعد اور انبیاء کرام علیہم السلام کی خدمت میں طلبِ شفاعت کا الہام فرمایا اور ابتداءً حضور علیہ السلام کے حضور درخواستِ شفاعت پیش کرنے کا الہام نہ فرمایا۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا اظہار ہو۔ کیونکہ اگر ابتداءً ہی حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تو یہ احتمال رہتا کہ شائد دوسرے انبیاء سے بھی کام چل سکتا اور مراد حاصل ہو جاتی لیکن جب دوسرے انبیاء و مرسلین سے سوال کر چکے اور سب نے انکار کر دیا پھر حضور کی خدمت میں درخواست کی اور حضور نے فوراً قبول فرمائی تو اس سے کھل گیا کہ حضور کے کمالِ قرب اور محبوبیتِ تامہ میں کسی کی شرکت نہیں ہے

وَفِيْهِ تَفْضِيْلُهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ اور اس امر میں دلیل ہے کہ حضور تمام

Marfat.com

وَسَلَّمَ عَلٰی جَمِیْعِ الْمَخْلُوْقِیْنَ مِنَ الرُّسُلِ وَالْاٰدَمِیِّیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ فَاِنَّ ھٰذَا الْاَمْرُ الْعَظِیْمُ وَھِیَ الشَّفَاعَۃُ الْعُظْمٰی لَا یَقْدِرُ عَلَی الْاِقْدَامِ عَلَیْہِ غَیْرُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

انبیاء و مرسلین اور کل آدمیوں اور فرشتوں اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں کیونکہ شفاعت عظمیٰ پر اقدام کرنے (پہل کرنے) کی آپ کے سوا کسی میں قدرت نہیں ہے۔

(نووی شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۱۱)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ یَشْفَعُ فِی الْجَنَّۃِ وَ اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبْعًا۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۱۲)

مَیں پہلا شخص ہوں جو جنت میں شفاعت کروں گا اور مَیں بلحاظِ متبعین کے انبیاء میں سب سے بڑھ کر ہوں۔

اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبْعًا وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَقْرَعُ بَابُ الْجَنَّۃِ

مَیں انبیاء میں متبعین کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہوں۔ اور مَیں ہی سب سے پہلا وہ شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خطبہ میں فرمایا عنقریب اس امت میں ایسا گروہ پیدا ہو گا، جو رجم اور فتنہ دجال اور عذاب قبر کی تکذیب کرے گا۔

وَیُکَذِّبُوْنَ بِالشَّفَاعَۃِ وَیُکَذِّبُوْنَ بِقَوْمٍ یُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ۔ (بیہقی)

اور شفاعت کو جھٹلائے اور اس قوم کی تکذیب کرے جو دوزخ سے نکالی جائے گی۔

مَنْ کَذَّبَ بِالشَّفَاعَۃِ فَلَا نَصِیْبَ لَہٗ فِیْھَا۔ (فتح الباری پ ۲۷ صفحہ ۱۹)

جس شخص نے شفاعت کی تکذیب کی اور اس کو جھٹلایا، شفاعت میں اس کا حصہ نہیں۔

Marfat.com

اسلام میں سُنتِ رسُول کا مقام

اس مسئلہ پر بحث سے قبل تین باتیں قابلِ غور ہیں
اوّل : اللہ تعالیٰ نے کتاب اور رسول کے واسطہ کے بغیر خود ہی مخلوق کی ہدایت کیوں نہ فرمائی
دوم : رسالت کے کام کے لیے صرف انسانوں کو کیوں منتخب کیا - فرشتوں یا دیگر غیر انسانی ہستیوں کو اس کام کے لیے کیوں نہ مامور کردیا - سوم : تمام آسمانی کتابوں کو رسُول کے واسطہ سے کیوں نازل کیا - صرف کتاب ہی کیوں نہ نازل کردی -

سوال اوّل کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غایۃ تجرّد اور نہایت تقدّس میں ہے یعنی وہ ایک ایسی ہستی ہے جو کمال کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہے اور انسان نقصان کے انتہائی درجہ پر ہے - اس لیے انسان میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ خدا سے بلا واسطہ ہدایت اور فیض حاصل کرے اور نہ خدا ہی بلا واسطہ اپنے بندے سے تعلق پیدا کرتا ہے اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ خدا قادر نہیں ہے ؛ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نقصان انسان میں ہے - اس میں یہ صلاحیت اور قابلیت اور استعداد ہی نہیں ہے کہ وہ براہِ راست خدا سے فیض لے کیونکہ ناقص کامل سے اسی وقت بلا واسطہ فیض حاصل کرسکتا ہے جبکہ ناقص اور کامل میں کوئی مناسبت ہو - اور خدا اور بندہ میں توکوئی مناسبت ہے ہی نہیں - وہ خالق ہے اور یہ مخلوق - خالق اور مخلوق کا کیا جوڑ - اس لیے اللہ سے فیض لینے اور اس کی رضا اور احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ایک واسطہ کی ضرورت پڑی - ایسا واسطہ جس کا تعلق خدا سے بھی ہو اور مخلوق سے بھی - پس یہ واسطہ انبیاء کرام ہیں جن کے ذریعہ مخلوق کا تعلق خدا سے قائم ہوتا ہے -

اب یہ سمجھئے کہ انسان تو غایت نقصان میں تھا اور وہ اپنی عدم صلاحیت کی وجہ سے خدا سے بلا واسطہ تعلق پیدا نہیں کرسکتا تھا - پھر انبیاء جو انسان ہی ہوتے ہیں وہ اللہ سے کیسے تعلق پیدا کرسکتے ہیں ؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء اگرچہ انسان ہی ہوتے ہیں مگر انسانیت کی نہایت بلند سطح پر ہوتے ہیں - ان میں اللہ تعالےٰ خود ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ بلا واسطہ

Marfat.com

اس سے تعلق رکھیں - انبیاء میں چند خصوصیات ایسی ہوتی ہیں - جو انسانوں میں تو کیا فرشتوں میں بھی نہیں پائی جاتیں - جیسے خدا اپنی مخلوقات کے درمیان تقدس اور تجرد کے نہایت بلند مقام پر ہوتا ہے اسی طرح انبیاء کرام عام انسانوں میں تقدس اور تجرّد کے نہایت بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں - تجرد کی جہت سے وہ خدا سے تعلق رکھتے ہیں اور تعلق کی جہت سے وہ پیغامات الٰہی بندوں تک پہنچا دیتے ہیں - اس لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو واسطہ قرار دیا اور خود بلا واسطہ مخلوق کی ہدایت نہیں فرمائی -

سوال دوم کا جواب یہ ہے

اللہ کی سنت یہ ہے کہ عام انسانوں کی ہدایت کے لیے رسول بشری ہی مبعوث فرماتا ہے اور اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوسکتی -

دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتے یا غیر انسانی ہستیاں انسان کی ہدایت اور تزکیہ کا سبب نہیں بن سکتیں - کیونکہ انسان کی ہدایت کا سبب وہی بن سکتا ہے جو انسان کے ساتھ مناسبت رکھے - فرشتے اپنی نورانیّت اور ملکیّت کی وجہ سے اور غیر انسانی ہستیاں اپنے فطری قصور اور عدم صلاحیت کی وجہ سے انسان کے لیے ہادی نہیں ہو سکتیں - چنانچہ ہر زمانہ کے کفار نے انبیاء و مرسلین سے یہ ہی مطالبہ کیا ہے کہ اگر خدا کو پیغام پہنچانا ہی منظور ہے تو ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کرتا کہ ہمیں اس پیغام کے منزل من اللہ ہونے کا یقین آجائے -

اللہ تعالےٰ نے کفار کے جواب میں فرمایا :-

لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا ۔ اگر ہم فرشتے بھی بھیجتے تو ان کو انسانی لباس میں بھیجتے -

اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ انسان کی ہدایت اور تزکیہ و تربیت کے لیے فرشتہ کام نہیں دے سکتا - کیونکہ فرشتے اور انسان میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے - فرشتہ انسانی جذبات سے محروم ہے - شہوانی قوتیں اس میں مفقود ہیں انسانی ضرورتوں سے بے نیاز ہے - ایسے ملکی اور نوری افراد انسان کی تعلیم و تربیت کے فرائض ادا کر ہی نہیں سکتے اسی لیے فرمایا کہ اگر ہم فرشتوں کو بھیجتے تو بھی ان کو لباس بشریّت میں بھیجتے تاکہ انسان اور فرشتہ میں مناسبت پیدا ہو جاتی - بلکہ قرآن کریم نے یہاں تک فرمایا کہ فرشتے اسی صورت میں بھیجے جا سکتے تھے جب کہ زمین پر فرشتے بستے ہوتے -

لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۔ اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ہم ان کی ہدایت کے لیے رسول ملکی کو مبعوث فرماتے (قرآن مجید)

اس لیے اللہ تعالےٰ نے عام انسانوں کی ہدایت و تزکیہ و تربیت کے لیے فرشتوں کی بجائے انسانوں کو ہی رسول بنا کر مبعوث فرمایا -

سوال سوم کا جواب یہ ہے

اب رہا یہ سوال کہ کتاب کو رسول کے واسطے سے کیوں نازل کیا صرف کتاب ہی کیوں نہ نازل کر دی

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی کتابوں کو رسول ہی کے واسطہ سے نازل کیا ہے - وہ اس

Marfat.com

پر بھی قادر ہے کہ صرف کتاب نازل کر دیتا اور کتاب کے مطبوعہ نسخے ہر انسان تک پہنچا دیئے جاتے ۔ اگر کتاب کی اشاعت کا یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو بلاشبہ یہ ہدایت کا یقینی ذریعہ ہوتا کیونکہ ایسے صریح معجزے اور بالکل ظاہر خارق عادت کو دیکھ کر ہر شخص مان لیتا کہ یہ کتاب واقعی خدا کی طرف سے ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے باوجود قادر مطلق ہونے کے یہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا ۔ بلکہ ہمیشہ اپنے رسولوں ہی کے ذریعہ کتابیں نازل کیں تاآنکہ قرآن شریف کی باری آئی ۔ تو قرآن بھی بلاواسطہ نہیں دیا ۔ بلکہ اس کے نزول سے پہلے بڑے انتظامات فرمائے ۔ پھر ایک مقدس ہستی کو ابتداہی سے قرآن کے لیے مخصوص و منتخب فرمایا ۔ جب وہ ہستی دنیا میں جلوہ فرما ہوگئی ۔ تو پھر قرآن نازل ہوا ۔ اور رسول کریم کے واسطہ سے قرآن بھی دیا گیا ۔ آخر کیوں ؟ اس کا تسلی بخش جواب خود قرآن ہی نے دیا ہے اس نے بتایا ہے کہ اللہ نے جس قدر رسول مبعوث کئے ہیں ۔ ان کی بعثت کا مقصد یہ رہا ہے کہ فرامین الٰہی کے مطابق حکم دیں ۔ اور لوگ انہیں کے احکام کی اطاعت کریں ۔ وہ کتاب الٰہی پر خود عمل کر کے دکھائیں اور لوگ انہیں کے نمونہ کو دیکھ کر ان کا اتباع کریں ۔

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ ۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اسکی اطاعت کی جائے ۔ دنیا میں جتنے انبیاء کرام تشریف لائے سب نے اپنی امت سے یہ ہی مطالبہ کیا ۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زبان مبارک سے بھی یہ ہی کہلوایا گیا ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ اگر اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو

ان نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ کتاب کے ساتھ رسولوں کو اور قرآن کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ کتاب اور رسول دونوں کی اطاعت کی جائے اور اللہ کا منشاء یہ ہے کہ جس طرح لوگ میری کتاب کی اطاعت کریں ۔ ٹھیک اسی طرح لوگ کتاب کے ساتھ جو رسول بھیجا گیا ہے اس کا بھی اتباع کریں ۔

معلم کتاب

اس میں شک نہیں کہ کتاب (قرآن) دین و شریعت کی اصل ہے اور ادلۂ شرعیہ میں سب سے مقدم اور محکم قرآن ہی ہے اور یہ بات منکرین حدیث کو بھی تسلیم ہے کہ قرآن صرف اصول دیتا ہے ۔ اور اپنے اصول کی تشریح و توضیح کسی اور پر چھوڑ دیتا ہے ۔ آخر کیوں ؟ کیا قرآن ناقص ہے ؟ کیا وہ ملت کا دائمی اور آخری ضابطۂ حیات نہیں ہے ؟ ہے اور ضرور ہے تو پھر قرآن میں اصول کیوں ہیں ؟ اجمال اور ابہام کیوں ہے ؟ تو اس کی وجہ بھی خود قرآن ہی نے بتا دی ۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اگر محض کتاب اتار دی جاتی ۔ اور اس کے ساتھ کوئی رسول نہ آتا تو لوگ آیات کے معانی میں اختلاف کرتے ۔ اصول کی جزئیات میں لڑتے جھگڑتے اور کوئی ان کی تسلی کرنے والا اور غلطی کی نشاندہی کرنے والا نہ ہوتا ۔ اور اس طرح

Marfat.com

اللہ کی کتاب جدال و نزاع کا اکھاڑہ بن جاتی - اس لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مبعوث کیا اور قرآن کو رسولِ کریم علیہ السلام پر نازل فرمایا - یہ صرف اس لیے تاکہ لوگ اپنے اپنے طور پر نہیں بلکہ رسول کے بیان اور تشریح کی روشنی میں قرآن کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں -

قرآن کریم نے اپنے ساتھ رسول کے اس تعلق کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے -

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ خوب کھول کھول کر بیان کریں اس کو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے -

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ قرآن کے ساتھ رسول کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ رسول قرآن کے شارح ہیں اور ان کا فرضِ نبوت یہ ہے کہ وہ قرآن کی خوب تشریح و توضیح فرمائیں اور اُمت کا فرض یہ ہے کہ وہ رسول کا اتباع کرے اور اس کے اسوۂ حسنہ پر چلے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیے رسول کریم میں بہترین نمونہ ہے -

تلاوتِ آیات

پھر یہ ہی نہیں کہ قرآن نے صرف ایک ہی جگہ رسول کے اس منصب اور فرض کو بیان کر دیا - بلکہ متعدد مقام پر رسول کے فرائض اور اس کے مراتب سے دنیا کو آگاہ کیا گیا - چنانچہ فرمایا -

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ -

یہ رسول قرآن کی تلاوت کرتے ہیں - اور ان کو پاک کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں -

اس آیت میں دو چیزیں الگ الگ ذکر کی گئی ہیں (۱) تلاوتِ آیات (۲) تعلیم کتاب -

آیات کی تلاوت کا مطلب تو بالکل واضح ہے البتہ تعلیم کتاب کی مراد پر غور کرنا ہے - اگر تعلیم کتاب سے بھی قرآن کی عبارت پڑھ کر سنانا اور یاد کرانا ہی مقصود ہے تو تلاوتِ آیات سے الگ کوئی چیز نہ ہوئی - حالانکہ وہ اس سے الگ چیز ہے اور الگ ہی ذکر کی گئی ہے - تو معلوم ہوا کہ یقیناً تعلیم کتاب سے مراد قرآن کی تشریح اس کے معانی و مطالب کی توضیح ہی ہے - جب قرآن مجید سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ نبوت میں الفاظ و کلماتِ قرآنِ کریم کی تلاوت ہے - اسی طرح اس کے معانی و مطالب کا بیان بھی فرائضِ رسالت میں داخل ہے تو اب لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ جس طرح متنِ قرآن حجت ہے - اسی طرح اس کی نبوی تشریح بھی حجت ہے - ورنہ قرآن کا آپ کو معلمِ کتاب کہنا اور کتاب کی تعلیم کو آپ کا فرضِ رسالت قرار دینا بالکل بے معنی ہوگا - جب قرآن سے حضور علیہ السلام کا معلم اور شارح ہونا ثابت ہو گیا - تو جو شخص آپ کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے - اس کو یہ بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ جیسے حضور علیہ السلام نے متن قرآن کی تلاوت و تبلیغ کی - اسی طرح آپ نے قرآن کے مطالب و معانی بھی بیان فرمائے - پھر جب قرآنِ کریم اللہ کی آخری کتاب ہے اور حضور

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی، تو نہ اب کوئی نئی کتاب آسکتی ہے اور نہ کوئی دوسرا نبی۔ اور اس آخری کتاب کا اس کے نزول کے وقت سے رہتی دنیا تک باقی رہنا ضروری ہے۔ جب اس کی بقا ضروری ہے تو قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی قولی و فعلی تشریحات و توضیحات کا بھی ہر دور اور ہر زمانہ میں منقول و متداول اور موجود رہنا ضروری ہے۔

الغرض : ان دو نصوصِ قرآنیہ سے ثابت ہوا :۔ (۱) حضور صلے اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح ہیں۔ (۲) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح متنِ قرآن کی تبلیغ کی۔ اسی طرح آپ نے قرآن مجید کے مطالب و معانی بھی بیان فرمائے (۳) جب قرآن کریم کا باقی رہنا ضروری ہے تو حضور علیہ السلام کی تشریح کا باقی رہنا بھی ضروری ہے (۴) جب قرآن مجید کی دین میں حجت یقینی ہے تو قرآن حکیم کی شرح بھی دین میں حجت یقینی ہے اور قرآن حکیم کے ساتھ اس کی شرح (حدیث) کو ماننا بھی ضروری ہے۔

تعلیمِ حکمت

اب آیۃ زیرِ غور کے دوسرے ٹکڑے پر غور کیجیے۔ تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم حکمت بھی حضور علیہ السلام کا ایک فریضہ بتایا گیا ہے۔ یعنی جس طرح قرآن کریم کے مفہوم و مطالب کو بیان کرنا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرضِ نبوت ہے۔ اسی طرح حکمت کی تعلیم دینا بھی آپ کا فرض ہے۔

یہ حکمت کیا ہے؟ قرآن بتاتا ہے کہ حکمت ایک ایسی چیز ہے جو اللہ نے قرآن شریف کے علاوہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے :۔

(۱) وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ۝	اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی اور حکمت بھی نازل کی اور سکھا دیا تم کو وہ جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور تم پر تو اللہ کا بڑا فضل ہے۔
(۲) وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی عَلَیْکُنَّ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ۔	یاد کرو اس کو جس کی تلاوت ہوتی ہے تمہارے گھروں میں آیتیں اور حکمت۔

ان دونوں آیتوں سے واضح ہوا کہ جس طرح حضور علیہ السلام پر قرآن نازل ہوا۔ اسی طرح اللہ نے آپ پر حکمت بھی نازل کی۔ اب یہ حکمت کیا ہے؟ جو ازواجِ مطہرات کے گھروں میں قرآنی آیتوں کے علاوہ پڑھی جاتی تھی؟ وہ کیا چیز تھی جو حضور علیہ السلام ان کو قرآن کے علاوہ سناتے تھے؟ یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سُنّت تھی۔ یعنی قرآن کی تشریح فرمانے کے ضمن میں حکمت و دانائی کی وہ باتیں جو الفاظِ قرآن کے علاوہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس یا فعل و عمل سے ظاہر ہوئیں۔ وہی حدیث اور سنت ہے۔ اور اسی کو قرآن نے حکمت سے موسوم کیا ہے اور چونکہ اس آیت سے حکمت کے یاد رکھنے کا وجوب بھی ثابت ہوا۔ پھر یاد رکھنے سے اصل مقصود ہی عمل ہے تو سنت و حدیث پر عمل کا واجب و مامور ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور جب سنت ہی کا دوسرا نام حکمت ہے

Marfat.com

اور حکمت منزل من اللہ ہے تو اس سے سنت کا منزل من اللہ اور وحی الٰہی ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حکمت کو اللہ کی طرف سے دیئے جانے کی تصریح فرمائی :-

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ (ابو داؤد)

خبردار مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ ایک اور چیز اس کی مثل دی گئی ہے۔

یہ قرآن کی مثل کیا چیز تھی؟ جس کے متعلق آپ نے فرمایا "مجھے دی گئی"۔ گویا خود بخود آپ میں وہ چیز موجود نہ تھی۔ بلکہ خدا کی طرف سے تھی۔ وہ چیز حکمت ہی تھی۔ اور حکمت سنتِ رسول ہے۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن کی جو تشریح و توضیح حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ وہ اللہ کی وحی اور اس کی ہدایت کے ماتحت ہوتی تھی۔ جب وہ اللہ کی ہدایت کے ماتحت ہوتی تھی۔ تو پھر اس کا دین کا جزو اور مامور بہ ہونا بالکل ظاہر بات ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح قرآن مجید کو ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح سنتِ رسول کو ماننا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور سنت کے بغیر فہمِ قرآن ناممکن ہے۔

رسُول کا مرتبہ و مقام

حقیقت یہ ہے کہ منکرین حدیث دراصل منصب نبوت و رسالت کے منکر ہیں۔ اسی لیے وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول کا کام صرف اللہ کی وحی کو بندوں تک پہنچا دینا ہے اور بس۔ باقی رہے اس کے اقوال و اعمال یہ دین نہیں ہیں۔ لیکن قرآن صاف لفظوں میں ان کے اس کافرانہ نظریہ کی تردید کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہی نہیں ہے بلکہ پیغامِ الٰہی کے معانی و مفہوم۔ تشریح و مطالب کو بیان کرنا بھی اس کا فرض ہے۔ رسول صرف قاصد ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ مطاع ہادی، امام مربی، حاکم مبشّر، نذیر، سراج منیر، صاحبِ حکمت، صاحبِ خلقِ عظیم، صاحبِ مقامِ محمود۔ مجتبیٰ، مصطفےٰ۔ مقبول مبین، شارح، معلّم، حکم، مزکی، داعی الی اللہ، آمر و ناہی بھی ہوتا ہے:

رسول کے ان اوصافِ جلیلہ پر قرآن مجید کی آیات شاہد ہیں جن کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔ تاہم چند آیات قرآنیہ یہاں درج کی جاتی ہیں جو رسول کے مرتبہ و مقام کی وضاحت کے لیے کافی ہوں گے۔

(۱) مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

(۱) اس آیت میں بتایا گیا کہ رسول کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ یہ نہیں ہے کہ اس کو صرف اللہ کا رسول مان لیا جائے (۲) پھر اطاعتِ رسول کا حکم جہاں جہاں آیا ہے بالکل مطلق ہے۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ فلاں امور میں تو رسول کی اطاعت کرو اور فلاں نہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول ایک حاکمِ عام ہے جو حکم بھی وہ دے۔ مومنوں کو اس کا ماننا لازمی ہے۔

(۲) قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی طرح ہے۔ رسول کی اطاعت ایک عام انسان کی اطاعت کی طرح نہیں ہے جیسا کہ جاہل کفار کا خیال تھا جو کہتے تھے :-

Marfat.com

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔

کیا یہ تم جیسا ایک بشر نہیں ہے۔

لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۔

اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی۔ تو تم ضرور ٹوٹے میں رہو گے۔

(۳) قرآن نے جاہل کفار کے اس خیال کی تردید کر دی اور مومنوں کو یہ اطمینان دلایا کہ رسول کی اطاعت عام انسانوں کی اطاعت کی طرح نہیں بلکہ دراصل خدا کی اطاعت ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔

جس نے رسول کی اطاعت کی۔ اسی نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۴) قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ رسول من جانب اللہ امام اور ہادی ہوتا ہے اور ہر اختلاف اور نزاع کی صورت میں رسول کو حکم بنانا اسی طرح ضروری ہے جس طرح خدا کو:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

ہم نے انبیاء کو ہدایت کا امام بنایا ہے۔ وہ ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے ہیں۔

(۵) اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو۔ تو اس میں اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو۔

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کا فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے۔ مسائل شرعی میں جب مسلمانوں کے درمیان اختلاف واقع ہو تو حکم ہے کہ خدا اور رسول کی طرف رجوع کریں۔ اس میں خدا اور رسول دونوں کو حکم بنانے کا حکم ہے۔ اگر مرجع بالکل قرآن مجید ہوتا تو فردوہ الی اللہ کہنا کافی تھا لیکن اس کے ساتھ والرسول بھی کہا گیا جس میں صاف وضاحت ہے کہ قرآن کے بعد رسول کا طریقہ ہی مرجع ہے اور دین کے اصلی دو جزو قرآن اور حدیث ہی ہیں۔

(۶) قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو دل وجان سے ماننا اہلِ ایمان کے لیے فرض بلکہ شرط ایمان ہے۔ جو شخص رسول کے فیصلہ کو نہ مانے وہ بے ایمان ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ...... الخ

اے رسول! تیرے رب کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام معاملات میں تمہیں حکم نہ مان لیں۔

(۷) مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے۔

Marfat.com

یہاں کسی زمانہ کی قید نہیں ہے۔ مومن و مومنہ سے صرف عہدِ نبوی کے مومن مرد و عورت مراد نہیں ہیں بلکہ قیامت تک کے ہیں۔ اَمراً کا لفظ نہایت عام ہے جو ہر قسم کے معاملات پر حاوی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر بات میں خدا اور رسول کے فیصلہ کو تسلیم کرنا فرض ہے۔

(۸) قرآن نے یہ بھی اعلان کیا۔ کہ اللہ کی طرح اس کے رسول کو بھی ساری دُنیا کی چیزوں سے محبوب رکھنا ضروری ہے جو ایسا نہ کریں وہ فاسقین سے ہیں اور اللہ کی ہدایت سے محروم ہیں۔ جب اللہ اور رسول کسی کام کی دعوت دیں اور پکاریں تو اس پر لبیک کہنا ہر مومن کے لیے فرض ہے۔

اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَجِہَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ۔

اگر (یہ دنیا) تم کو اللہ اور اُس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہے تو اللہ کے امر (عذاب) کا انتظار کرو۔

(۹) اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ

اللہ اور اس کا رسول جب تمہیں آواز دیں، تو فوراً لبیک کہو۔

(۱۰) اور یہ بھی کہ مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہتے ہیں۔ اور اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت کرتے ہیں۔

اِنَّمَا کَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا

ایمان والوں کو جب اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ اللہ اور رسول ان کے درمیان فیصلہ دیں۔ تو ان کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کہیں سمعنا و اطعنا!

(۱۱) قرآن نے یہ بھی بتایا کہ کسی شخص کی کامیابی اور فوز و فلاح کے لیے جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت بھی فرض ہے جس طرح اللہ کی نافرمانی، گمراہی و بدبختی ہے۔ اسی طرح رسول کی نافرمانی کا حال ہے۔

مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ۔

جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اس نے بڑی مراد کو پالیا۔

(۱۲) وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیۡنًا

جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی۔ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

(۱۳) قرآن نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ مسلمانوں کو رسول کی نافرمانی کی کوئی بات بھی آپس میں نہیں کرنی چاہیئے۔ ایک مومن کا اپنی جان پر جتنا حق ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی جان پر نبی کا حق ہے اور اللہ کے ساتھ نبی کو راضی کرنا بھی ضروری بلکہ شرطِ ایمان ہے۔

Marfat.com

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ

اے ایمان والو! جب تم چپکے چپکے بھی کوئی بات کرو۔ تو گناہ زیادتی اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کرو۔

(۱۴) اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

نبی زیادہ قریب ہے۔ مومنوں کی جانوں سے۔

(۱۵) وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ

اللہ کے ساتھ اس کے رسول کو بھی راضی کرنا ضروری ہے۔

(۱۶) قرآن نے ان منافقین کی مذمت بھی کی ہے۔ جو اپنی خود غرضی اور منافقت کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں کوتاہی کرتے تھے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا۔

جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا۔ اور رسول کی طرف آؤ۔ تو اے رسول تو دیکھے گا ان منافقوں کو کہ اعراض کرتے ہیں تیری طرف سے۔

اس آیت میں رسول کی اطاعت کا جس طرح حکم دیا گیا ہے وہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ رسول کی اطاعت مستقل طور پر فرض ہے۔ دیکھئے ما انزل اللہ تو کتاب ہے لیکن و الی الرسول یہ کتاب نہیں ہے۔ یہ تو رسول کی مستقل طور پر اطاعت کا حکم ہے۔

(۱۷) قرآن نے یہ بھی اعلان کیا کہ کفار دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد جس طرح اللہ کی نافرمانی پر کف افسوس ملیں گے اسی طرح رسول کی نافرمانی پر بھی افسوس کریں گے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا (احزاب)

جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے تو کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

اگر رسول کی اطاعت ایک مستقل اطاعت نہیں تھی تو پھر اللہ اور رسول کی اطاعت کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۱۸) قرآن نے یہ بھی بتایا کہ رسول کی اطاعت غیر مشروط اور غیر محدود طور پر ہے۔ اس میں کسی زمانہ کی قید نہیں ہے اور رسول مستقل طور پر خدا کی طرح مطاع ہے۔ فرق یہ ہے کہ رسول کی اطاعت خدا ہی کے حکم اور اذن سے کی جاتی ہے۔

Marfat.com

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ   اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی۔

یہاں اطیعوا الرسول کو اطیعوا اللہ سے ایک مستقل جملہ کی شکل میں لایا گیا ہے جس سے اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ رسول کی اطاعت بھی مستقل طور پر فرض ہے اور اگر اس کا یہ مطلب ہوتا کہ بس رسول جو کتاب لائے ہیں۔ اس کو مانا جائے تو صرف اطیعوا اللہ کہنا ہی کافی تھا۔ اطیعوا الرسول کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔

(۱۹) قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ رسول کی مستقل طور پر اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ رسول جو کچھ کہتا ہے۔ وہ خدا کی ہدایت اور اس کی وحی کے ماتحت کہتا ہے۔ وہ اپنے نفس کی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتا۔ اس لیے تم کو مطمئن ہو جانا چاہیئے کہ رسول کی پیروی میں کسی قسم کی گمراہی اور غلط روی کا خطرہ نہیں ہے۔

مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

تمہارے صاحب (محمد) نہ گمراہ ہوئے اور نہ کج رو وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے (وہ جو کچھ کہتے ہیں وحی سے کہتے ہیں۔ جو ان پر کی جاتی ہے۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں ھو کی ضمیر نطق رسول کی طرف لوٹتی ہے۔ جس کا ذکر مَا یَنْطِقُ میں کیا گیا ہے۔ اس آیت میں کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے کہ نطق رسول کو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص کیا جائے۔ یہاں تو ہر اس بات کو وحی الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ جس پر نطق رسول کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول کا نطق (بولنا) خالص وحی سے ہوتا ہے اور اس میں رسول کی خواہش کو قطعاً دخل نہیں ہوتا۔ قرآن نے یہ تصریح اس لیے کی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دین سے متعلق رسول کی ہر بات خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کسی ایک بات میں بھی یہ شبہ ہو جائے کہ رسول خواہش نفس سے بولتا ہے اور اس کا نطق خدا کی وحی سے نہیں ہے۔ تو پھر تو رسالت پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اس لیے قرآن نے وضاحت کر دی کہ رسول کا نطق وحی الٰہی ہے۔ اس کی زبان سے جو نکلتا ہے خاص خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ ہی بات حضور علیہ السلام نے خود اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمائی ہے۔

فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا حَقًّا (بخاری)

مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق ہی نکلتا ہے۔

(۲۰) قرآن نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اللہ کا اپنے نبی سے عارضی اور وقتی تعلق نہیں ہوتا کہ جب کبھی اس کو اپنے بندوں تک کوئی پیغام پہنچانا ہوا اسی وقت یہ تعلق قائم ہوا اور اس کے بعد منقطع ہو جائے بلکہ اللہ کا اپنے نبی سے دائمی تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ ذیل کی آیت اس امر پر دال ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُہٗ لَھَمَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ اَنْ یُّضِلُّوْکَ

اے محبوب! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو ان میں سے ایک گروہ تم کو راہ راست

Marfat.com

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۵

سے ہٹا دینے کا ارادہ کر ہی چکا تھا - مگر وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے اور تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (کیونکہ) اللہ نے تم پر کتاب اتاری اور حکمت نازل کی اور تمہیں وہ سب کچھ سکھا دیا - جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا افضل ہے -

اس آیہ مبارکہ میں تصریح کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام کا نگران اللہ تعالیٰ ہے - فضل الٰہی ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ دائمی طور پر آپ کی طرف متوجہ رہتا ہے - اس لیے حضور علیہ السلام کے تمام اقوال و افعال اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوتے ہیں - اسی مضمون کو اس آیہ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے -

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ — اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کی دست برد سے بچائے گا

اس آیہ کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ جسم نبوی کو دشمنوں سے محفوظ رکھا جائے گا بلکہ یہ بھی ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک اللہ کی حفاظت میں ہے - اس لیے نبی کی آنکھیں اور اس کی زبان حق دیکھتی اور حق ہی کہتی ہے - اور نبی دین سے متعلق جو کچھ فرماتا ہے - وہ منشاءِ ایزدی کی ترجمانی ہوتی ہے -

ان آیات قرآنیہ نے بتا دیا کہ نبی صرف پیامبر ہی نہیں ہوتا - بلکہ آمر و ناہی بھی ہوتا ہے - اور وہ اپنے قول و عمل سے نازل شدہ کتاب کے احکام کی جو تفسیر و تشریح اور توضیح فرماتا ہے - وہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کی ترجمانی ہوتی ہے اور دین سے متعلق رسول کا قول و عمل قرآن کی طرح غیر متبدل اور واجب العمل ہوتا ہے -

وحی متلو و غیر متلو

منکرین حدیث یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل کی - وہ قرآن میں بند ہے - قرآن مجید کے علاوہ آپ پر کوئی اور وحی نازل ہی نہیں ہوتی تھی - لہٰذا صرف قرآن واجب العمل ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال دین اور شریعت نہیں ہیں - لیکن ان کا ایسا کہنا عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے -

اصطلاحِ شریعت میں وحی ان مطالب و معارف کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاءِ کرام پر نازل ہوتے ہیں - بنیادی حیثیت سے وحی کی تین قسمیں ہیں - براہِ راست بلا واسطہ خطاب جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا - دوسرے فرشتے کے واسطے سے کلام جیسا کہ نزولِ قرآن کے باب میں ہوا - تیسرے ان دونوں طریقوں سے ہٹ کر مطالب و احکام کا قلبِ رسول پر نزول - یہ تیسری قسم ہی وہ ہے جس کی روشنی میں حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے دین کے بے شمار امور کی تفصیلی ہیئت و شکل متعین کی اور قرآن کے اجمال کو اس طرح مفصل کر دیا کہ اس کی تسلیم شرطِ ایمان ٹھہری - منکرین حدیث اسی تیسری قسم کی وحی کو تسلیم نہیں کرتے - اور دین کو قرآن تک محدود کر دینے کی غرض سے نہ صرف اس کا انکار ہی کر رہے ہیں - بلکہ اس کے خلاف منظم مہم چلا رہے ہیں - یہ لوگ اتنی سی بات

Marfat.com

نہیں سمجھ پاتے کہ جو قادر قدیر خدا ہر شے پر قادر ہے اور نہ صرف گنہگار انسانوں بلکہ جانوروں تک صحیح خیالات اور درست فیصلوں کا الہام کرتا رہتا ہے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں کہ وہ جیسے چاہے قرآن کے علاوہ بھی اپنے رسول کو خصوصی رہنمائی عطا فرمائے اور قرآن کے اجمال و ابہام کی صحیح ترین تفصیلات متعین کرنے کے لیے اپنے رسول پر محفوظ و معصوم افکار و ہدایات کسی طرح بھی نازل فرمائے۔ اسی ربانی رہنمائی کو وحی غیر متلو سے موسوم کیا جاتا ہے (یعنی وہ وحی جو قرآن کے علاوہ حضور علیہ السلام پر آئی) اور یہ وحی غیر متلو صحت میں قرآن سے کم نہیں ہے اس لیے قرآن نے کہا کہ رسول جس سے روکے رک جاؤ۔ جس کا حکم دے اس کو مان لو۔ گویا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر وہ بات جو آپ نے دین سے متعلق فرمائی۔ قرآن ہی کے حکم سے واجب القبول ہے۔ ظاہر ہے قرآن یہ حکم اسی وقت دے سکتا ہے جب کہ رسولِ کریم کے امر و نہی میں قطعاً غلطی کا شائبہ بھی نہ ہو۔ سورہ نحل کی ذیل کی آیت پر غور کیجئے :-

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝	اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں درختوں اور ان جگہوں میں جہاں لوگ چھت بناتے ہیں گھر بنائے۔

غور کیجئے کیا اللہ عزوجل نے شہد کی مکھیوں سے براہِ راست کلام کیا ہو گا یا فرشتہ کے ذریعہ کہلوایا ہو گا۔ ہے ان دونوں صورتوں میں سے کوئی سی بھی صورت واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ یہاں وہ وحی مراد ہے جو اللہ عزوجل شعور اور ادراک پر بلا واسطہ الفاظ وارد فرماتا ہے یہ وحی مکھی تک ہی محدود نہیں بلکہ انسان و حیوان کے صد ہا امور ایسے ہیں۔ جو اس کے ذیل میں آتے ہیں۔ بس جس اللہ نے مکھی تک کو وحی سے نوازا اس کے لیے آخر کیا دشوار ہے کہ اپنے آخری نبی کے قلب و ادراک پر وقتاً فوقتاً بلا واسطۂ الفاظ مطالبِ خاصہ و معارفِ معنویہ کا نزول فرماتا رہے، چنانچہ یہ مسئلہ صرف عقلی نہیں ہے بلکہ خود قرآن کی نصوص اس کی تائید و توثیق کرتی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے :-
سورہ توبہ میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے ان لفظوں میں منع فرمایا گیا ہے :-

(۱)	وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا	ان میں سے جو کوئی مرے آپ کبھی ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے نمازِ جنازہ شروع ہو چکی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ قرآن میں اس سے پہلے نازل ہونے والی ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس میں حضور علیہ السلام کو نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو، اس لیے ماننا پڑے گا کہ نمازِ جنازہ کا حکم اس وحی سے تھا جو قرآن کے علاوہ تھی۔

اسی طرح جمعہ کے خطبہ کو لے لیجئے۔ جو ایک دینی عمل اور شرعی حکم ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود خطبہ فرماتا

Marfat.com

کرتے تھے - اور امت میں اسی طرح آج تک جاری ہے - سورہ جمعہ میں شکایت کے ضمن میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے -

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا اِنْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا	جب یہ منافق تجارت یا کھیل کو دیکھتے ہیں - تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو تنہا چھوڑ جاتے ہیں -

حالانکہ کوئی قرآنی آیت نہیں دکھائی جا سکتی جس میں اس خطبہ کا حکم ہو - پس لازماً یہ ہی ماننا پڑے گا کہ اس کا حکم اس وحی کے ذریعہ ملا جو قرآن کے علاوہ تھی -

(۲) علیٰ ہذا اذان کو لیجئے نماز سے پہلے اذان دی جاتی ہے - یہ بھی ایک دینی عمل ہے - سورہ جمعہ اور مائدہ میں بطور حکایت اس کا ذکر کیا گیا ہے -

(۲) وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا	جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو یہ منافق اس کا مذاق اڑاتے ہیں -

(۳) حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے - بیت المقدس کے قبلہ ہونے کے متعلق قرآن حکیم میں کوئی حکم موجود نہیں - مگر جب اس قبلہ کو منسوخ کر کے بیت الحرام کعبہ کو قبلہ بنایا گیا تو ارشاد ہوا :-

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ -	جس قبلہ پر آپ تھے اس کو ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ رسول کا اتباع کرنے والے اور اتباع سے منہ موڑنے والوں کے درمیان امتیاز ہو جائے -

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے جو بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تھا وہ اللہ کی وحی کی بنا پر تھا -

(۴) جنگ اُحد کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں سے فرمایا - اللہ تمہاری مدد کے لیے فرشتے بھیجے گا - بعد میں اللہ تعالےٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ذکر قرآن میں اس طرح فرمایا :-

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ	اللہ نے اس وعدے کو تمہارے لیے خوشخبری بنایا ہے

ثابت ہوا - حضور علیہ السلام نے جب مسلمانوں کو فرشتوں کی امداد کی اطلاع دی تھی وہ اس وحی (غیر متلو) سے تھی - جس کا ذکر قرآن نے بعد میں کیا -

(۵) جنگ احد کے بعد حضور علیہ السلام نے غزوۂ بدر ثانیہ کے لیے لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا - جس کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے مگر اللہ نے بعد میں تصدیق کی - یہ بھی اسی کے جانب سے تھا -

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ	جن افراد نے زخم کھانے کے بعد اللہ اور اس کے

Marfat.com

بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ
رسول کے حکم کو مانا۔

(۶) حضور علیہ السلام نے صدقات تقسیم کئے، اس پر منافقین نے اعتراضات کئے۔ اس پر اللہ تعالٰی نے فرمایا: ظالمو! رسول کے فعل پر اعتراض کرتے ہو۔ حالانکہ یہ تقسیم جو رسول نے کی اللہ کے حکم سے کی تھی اور فرمایا :-

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۔
اگر وہ راضی ہو جاتے اس حصہ پر جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا۔

(۷) اسی طرح صلح حدیبیہ کا واقعہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ تمام صحابہ کرام نے صلح نہ کرنے کا مشورہ عرض کیا تھا۔ اور صلح کی شرائط ہر ایک کو نہایت دبی ہوئی نظر آتی تھیں۔ مگر حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں شرائط کو جو کفار نے مقرر کی تھیں قبول فرمالیا اور اس کے بعد اللہ تعالٰی نے یہ تصدیق فرمائی۔ یہ صلح اللہ کی ہدایت کے ماتحت تھی۔ جس کو صحابۂ کرام نہ سمجھ سکے۔ قرآن نے اعلان کیا :-

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا
اے رسول ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی۔

(۸) حضور سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ سے ایک راز کی بات فرمائی اور اس کے اظہار سے منع فرمایا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان سے اس راز کا افشا ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی زوجہ مطہرہ سے راز افشا کرنے کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت حفصہ نے عرض کی حضور مَنْ اَنْبَاَكَ آپ کو کس نے خبر دی کہ مجھ سے آپ کا راز افشا ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے فوراً جواب دیا۔ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (قرآن) مجھے میرے علیم وخبیر رب نے بتایا ہے (کہ تم سے میرا راز افشا ہو گیا ہے) یہ اور اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یقیناً قرآن کے علاوہ بھی وحی ہوتی تھی۔ اور حضور علیہ السلام دین سے متعلق جو ہدایات فرماتے تھے اور اصولِ قرآنی کی اپنے قول وعمل سے جو توضیح وتشریح فرماتے تھے۔ وہ بھی وحی ہی سے ہوتی تھی۔ نماز ہی کو لے لیجئے۔ قرآن مجید صرف اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ نماز کا طریقہ اس کے آداب وشرائط نہیں بیان کرتا۔ اب یہ امور کس سے معلوم کئے جائیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ
جیسے میں نماز پڑھوں ایسے ہی تم پڑھو

ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کا یہ طریقہ معاذ اللہ اپنے جی سے نہیں گڑھ لیا تھا۔ بلکہ اسی وحی کے ذریعہ متعین فرمایا تھا جو آپ پر قرآن کے علاوہ نازل ہوتی تھی۔ نماز کی تو یہ صرف ایک مثال ہے۔ آپ عقائد، عبادات، معاملات، حرام، حلال، نکاح وطلاق۔ غرضیکہ دین ودنیا کے کسی بھی معاملہ کو لے لیجئے۔ ان کے سمجھنے اور ان کے تفصیلی احکامات جاننے کا مرکز حضورِ اکرم علیہ السلام ہی کی ذاتِ اقدس بنتی ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے قول وعمل سے قرآن کے اصولی احکام کی توضیح اور اس کے جزئیات کی جو تعیین فرمائی وہ اسی وحی سے فرمائی جو آپ پر قرآن کے علاوہ نازل ہوتی تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اگر دین کو سمجھنے کے لیے احادیثِ نبوی

Marfat.com

اعتبار نہ سمجھا جائے۔ تو خود بہت سی آیات کا مفہوم و مطلب مبہم بلکہ بڑی حد تک تشنہ رہ جاتا ہے۔ چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:۔

(۱) قرآن میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا حکم ہے۔ مگر کیا صرف قرآن مجید سے ان عبادات کے تفصیلی احکام معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور آدمی ان احکامات قرآنیہ پر اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل کر سکتا ہے؟

(۲) قرآن کریم میں طیب چیزوں کے کھانے کا اصولی حکم دیا گیا ہے۔ کیا صرف قرآن مجید سے حلال و حرام اشیاء کی تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے؟ اگر کہا جائے کہ ہم خود اپنی عقل و فہم سے حرام و حلال کی فہرس بنالیں گے تو کیا جن چیزوں کو ہم حلال یا حرام قرار دیں گے۔ ان کے متعلق ہمیں یہ یقین بھی ہو جائے گا کہ اللہ کے نزدیک بھی ان اشیاء کا یہی حکم ہے۔

(۳) قرآن میں ہے فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَهَا۔ پھر جب زید اس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکے۔ تو پھر ہم نے اس کو تمہارے نکاح میں دے دیا۔

دیکھئے یہ قرآن شریف کی آیت ہے مگر کیا صرف قرآن مجید سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ زید کون تھے اور یہ عورت کون تھی۔ لامحالہ یہ بات روایات سے ہی معلوم ہوگی (۲) یا مثلاً ارشاد ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی تیوری چڑھائی اور منہ موڑا جب اس کے پاس ایک نابینا آیا۔

کیا صرف قرآن شریف سے یہ بتایا جا سکتا ہے کہ یہ نابینا کون تھے اور اصل واقعہ کیا تھا (۳) اسی طرح سورہ توبہ کی آیت کو لیجئے۔ اس میں ہے۔

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ هُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اگر تم رسول کی مدد نہیں کرو گے تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جب کافروں نے ان کو نکالا۔

کیا صرف قرآن مجید سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو کافروں نے کہاں سے نکالا تھا۔ نیز یہ رفیق غار کون تھے اور کس غار میں آپ رفیق کے ساتھ روپوش ہوئے تھے۔

(۴) وَلَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَوَاطِنَ کَثِیۡرَةٍ (توبہ) اللہ نے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کی۔

کیا روایات کے انکار کرنے کے بعد ان بہت سے میدانوں کی تفصیل معلوم ہو سکتی ہے؟

(۵) وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیۡنَ خُلِّفُوۡا (توبہ) اللہ کی مہربانی ہوئی ان تینوں پر جن کے معاملہ کو ملتوی رکھا گیا۔

Marfat.com

یہ تین شخص کون تھے۔ ان کا معاملہ کیا تھا اور کیوں ملتوی رکھا گیا۔ کیا روایات کے بغیر یہ باتیں حل ہوسکتی ہیں؟

(۶) اسی سورہ توبہ کی اس آیت پر غور کیجئے ارشاد ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا

جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ اول دن ہی سے یہ مسجد لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں'

یہ کس مسجد کا ذکر ہے۔ وہ کون لوگ ہیں۔ جن کی اس آیت میں مدح ہے۔ ان کی طہارت پسندی کا کیا خاص معیار تھا۔ جس کو اس آیت میں سراہا گیا ہے۔ کیا ان امور کا جواب صرف قرآن سے مل سکتا ہے۔

(۷) اسی طرح سورہ انفال کی اس آیت کو لیجئے۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ

اور جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک تمہارے قبضہ میں آئے گی۔

کیا صرف قرآن سے بتلایا جاسکتا ہے کہ یہ دو جماعتیں کون تھیں؟ اور یہ وعدہ کیا تھا۔ قرآن میں تو ہے نہیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ کوئی دوسری قسم کی وحی بھی ہوتی تھی۔ اس قسم کی اور بھی مثالیں دی جاسکتی ہیں جو بوجہ اختصار چھوڑی جارہی ہیں۔ ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے احکام معلوم کرنے اور قرآن کو سمجھنے سمجھانے کے لیے روایات واحادیث کا دامن تھامنا ناگزیر ہے۔

صحابہ کرام کا سنّتِ نبوی سے استدلال و امتثال

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام خلفائے راشدین نے اپنے ہر عمل و حرکت کا محور ذاتِ نبوی کو قرار دیا۔ اور ہر مسئلہ اور ہر فیصلہ کا مدار حضور علیہ السلام ہی کے ارشادات کو رکھا۔ اس سلسلہ میں اگر وہ تمام واقعات پیش کئے جائیں تو اس کے لیے دفتر درکار ہے۔ دو ایک واقعات بطور مثال پیش کرکے ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں:۔

(۱) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب قرآن مجید سے کسی قضیہ کا فیصلہ نہ ملتا تو آپ سنت ہی سے فیصلہ فرماتے تھے پھر اگر اس معاملہ میں ان کو سنت یاد نہ ہوتی تو صحابہ کرام سے کہا کرتے تھے کہ تم کو معلوم ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں کوئی فیصلہ دیا ہو۔ جب صحابہ میں سے کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ بتا دیتے تو اس پر حضرت صدیق اکبر فرماتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ فِيْنَا مَنْ يَّحْفَظُ عَنْ نَبِيِّنَا (تاریخ الخلفاء مصری ص۳۱)

خدا کا شکر ہے جس نے ہم میں ایسے لوگ بھی بنائے ہیں جو ہمارے نبی کی باتیں یاد رکھتے ہیں

(۲) صحابہ کرام کو سب سے پہلی مشکل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین کے متعلق پیش آئی کہ حضور کا جانشین کس کو مقرر کیا جائے۔ اس مسئلہ کا حل بھی صحابہ نے سنتِ نبوی میں تلاش کیا۔ حضرت علی

Marfat.com

جب خود حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر کو نماز کے لیے امام مقرر فرمایا تو جس کو آپ نے ہمارے دین کے لیے پسند کیا ہم نے اس کو اپنی دنیا کے لیے بھی پسند کیا (طبقاتِ ابنِ سعد)

(۳) وصالِ نبوی کے بعد دوسرا مرحلہ حضور علیہ السلام کے دفن کا تھا۔ جب صحابۂ کرام میں اختلاف آرا ہوا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ ہر نبی اپنی اسی خواب گاہ میں دفن ہوتا ہے۔ جہاں اس کی وفات ہوتی ہے۔ یہ حدیث سن کر سب اختلافات ختم ہو گئے اور صحابہ کرام نے اپنی ذاتی آرا کو حدیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے جھکا دیا۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کو یکجا کرنے کا مشورہ دیا تو جناب صدیق اکبر نے فرمایا :-

كَيْفَ اَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ — میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔

یہی جواب دیگر صحابہ نے دیا حتیٰ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا شرح صدر ہوا اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ کو مان لیا۔ اس واقعہ سے اتنا ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام ہر اقدام سے پہلے سنتِ رسول تلاش کرتے تھے۔

(۵) سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے میراث طلب کی تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا۔ میں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ اِنَّ النَّبِيَّ لَا يُوْرِثُ نبی کسی کو اپنے متروکات میں وارث نہیں بناتے۔ اس کے بعد فرمایا :-

فَاِنِّیْ اَخْشٰی اِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ اَمْرِهٖ اَنْ اَزِيْغَ (مسند احمد جلد ۱ ص۲۷ - بیہقی جلد ۱ ص۳۰۱) — میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے حکم میں سے کسی کو چھوڑ دوں گا تو بھٹک جاؤں گا۔

نہ صرف یہ بلکہ یہاں تک فرمایا :-

لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهٖ اِلَّا عَمِلْتُهٗ (مسند احمد جلد ۱ ص۲۷ ملخص) — میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعمالِ شریفہ سے کوئی عمل ایسا نہ چھوڑوں گا۔ جس پر عمل نہ کروں۔

کنز العمال جلد ۳ ص۱۲۹

دیکھئے خلیفہ راشد سیدنا امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مرکزِ ملت بھی تھے قضیۂ وراثت میں سنتِ نبویہ سے فیصلہ فرمایا اور قرآن مجید کی آیتِ میراث سے میراثِ نبی کے معاملہ کو مستثنیٰ قرار دیا اور سنت پر عمل کر کے یہ بتا دیا کہ قرآن مجید کی آیت میں میراث کا حکم عام مسلمانوں کے لیے ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہے اور یہ کہ اصولِ قرآن کی توضیح و تشریح صرف سنتِ رسول علیہ السلام ہی سے ہو سکتی ہے۔

(۶) حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر شام کی مہم پر

Marfat.com

بھیجنے کا حکم فرمایا تھا - کہ آپ کا وصال ہو گیا - اور حالات بدل گئے - قبائلِ عرب مرتد ہونے لگے جو منافق تھے وہ سازشوں میں مصروف ہو گئے - اجلہ صحابۂ کرام کی رائے یہ ہوئی کہ ایسے نازک اور پُرفتن موقع پر مرکزِ اسلام مدینہ منورہ سے لشکر کو علیحدہ کرنا اور مرکز کو خالی کر دینا قرینِ مصلحت نہیں ہے - اس وقت تو مدینہ منورہ دار الخلافہ کو ہر طرح مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے - جب باہر کے حالات سازگار ہو جائیں تب اس لشکر کی روانگی عمل میں لائی جائے - لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا - یہ ٹھیک ہے کہ حالات ناسازگار ہیں - مگر ماحول کے پُرفتن دباؤ کے باوجود لشکرِ اسامہ ضرور روانہ ہوگا اور اس لیے روانہ ہوگا کہ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے : اَنْفِذُوْا جَیْشَ اُسَامَۃَ - حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پُرجوش لہجہ میں مزید فرمایا - بخدا اگر مجھے یقین ہو جائے کہ اس لشکر کے روانہ کر دینے کی بنا پر مرکز کمزور ہو جائے گا اور درندے آکر مجھے کھا جائیں گے - تو بھی حکمِ نبوی علیہ السلام کی تعمیل ضرور کروں گا -

اِنَّمَا اَنَا مُنَفِّذٌ لِاَمْرٍ اَمَرَ بِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۸۴)

کیونکہ میں اپنا حکم نہیں بلکہ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم نافذ کر رہا ہوں -

دیکھئے ماحول کا تقاضا تھا کہ لشکرِ اسلام مرکز کی مضبوطی کے لیے مدینہ میں موجود رہے - اجلہ صحابہ کی رائے بھی یہی تھی - مگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکمِ نبوی (حدیث) میں ذرا بھی ردّ و بدل نہ کیا -

غرضیکہ اس نوع کے ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات ہیں - جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خلفاء اربعہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین نے ہر موقع اور ہر محل پر سنتِ نبوی کو مشعلِ راہ بنایا اور ہر حادثہ و ہر معاملہ میں سنتِ رسول سے ہدایت حاصل کی - بلکہ سنتِ رسول کے مطابق کاروبارِ خلافت انجام دینے کی شرط پر بیعت ہوتی تھی - جب سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت ہوئی تو صحابہ کرام نے بایں لفظ بیعت کی -

نُبَایِعُکَ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ وَسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَسُنَّۃِ الْخَلِیْفَتَیْنِ -

ہم آپ کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ، سنتِ رسول اور دونوں سابق خلیفوں کے طریقہ پر عمل کریں گے -

قرآن حکیم نے انہیں صحابہ کرام کے راستہ پر چلنے کا حکم دیا اور فرمایا :-

وَمَنْ یَّتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَہَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا

جو مومنین (صحابہ کرام) کے راستہ سے الگ راستہ اختیار کرے تو ہم اس کو اسی راستے پر چلنے دیں گے اور انجام کار اس کو جہنم میں داخل کریں گے جو بُرا ٹھکانہ ہے -

اس آیت میں مومنین سے مراد یقیناً صحابۂ کرام ہیں - انہیں کے راستہ پر چلنے کی قرآن کریم تاکید کر رہا ہے اور ان کے خلاف چلنے والے کو جہنمی قرار دے رہا ہے اور سبیل صحابہ یہ ہی تھی کہ وہ سنتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو دین جانتے تھے دین و دنیا کے ہر مسئلہ اور ہر حادثہ میں سنتِ نبوی کا اتباع کرتے تھے -

---

Marfat.com

قصیدہ بردہ شریف

قصیدہ بردہ شریف حضور سرورِ کائنات علیہ التسلیم والصلوات کی مدح وثنا پر مشتمل اشعار کا مجموعہ ہے یہ قصیدہ مبارکہ کم از کم نو سو برس یا اس سے کچھ زائد مدت سے صوفیاء و اولیاء میں معمولاً جاری ہے اور بطور وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔

قصیدہ بردہ کے مصنف کا نام علامہ شرف الدین محمد بوصیری مصری ہے۔ یہ قریہ بوصیر کے رئیس اور علوم عربیہ کے متبحر عالم اور فصاحت و بلاغت میں مشہور و معروف تھے۔ ابتدائے عمر میں آپ اپنی خداداد قابلیت اور تبحر علمی کی وجہ سے سلاطینِ اسلامیہ کے مقرب و محبوب تھے اور امرا کی منقبت اور قصیدہ گوئی میں خاص حصہ لیتے تھے اور ان کے اعدا کی ہجو میں رجز اور قصائد لکھا کرتے تھے۔

ایک روز آپ دربارِ سلطانی سے اپنے گھر تشریف لا رہے تھے کہ ایک بزرگ ملے اور انہوں نے فرمایا:

"بوصیری! تم نے کبھی خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی؟"

علامہ بوصیری نے نفی میں جواب دیا۔ بس اس جواب کے بعد آپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ حضور کے عشق و محبت کا جذبہ اتنا متلاطم ہوا کہ اپنے دل میں حضور کی محبت کے سوا اور کچھ نہ پاتے تھے۔ گھر آ کر جب سوئے تو نصیب جاگے اور اسی شب جمالِ جہاں آرائے محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے حضورِ اکرم کو صحابہ کے جھرمٹ میں اس شان سے دیکھا جیسے چاند ستاروں میں نظر آتا ہے۔ صبح کو جب آنکھ کھلی تو محبتِ نبوی سے دل کو لبریز پایا اور اب آپ امراء و سلاطین کی مدح و ثنا کی بجائے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں مدحیہ قصیدے لکھنے لگے۔ چنانچہ قصیدہ مضریہ ہمزیہ اسی زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

کچھ دن بعد اچانک آپ پر فالج کا حملہ ہُوا۔ اور آپ کا نصف حصّۂ جسم بے کار ہوگیا۔ اس مصیبت کی حالت میں ان کے ضمیر نے مشورہ دیا کہ سرکارِ دو عالم کی شان میں ایک قصیدہ لکھو اور اس کے ذریعہ سے باب الشفا سے اپنے لئے شفا طلب کرو۔

چنانچہ اسی کرب و بے چینی کے عالم میں آپ نے ایک قصیدہ لکھا جس کا نام قصیدہ بُردہ ہے قصیدہ لکھنے کے بعد جب سوئے تو خواب میں زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ نے اسی عالمِ رویا میں یہ قصیدہ بارگاہِ نبوت میں پیش کیا جو حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور قصیدہ سننے کے بعد حضور نے ان کے فالج زدہ اعضاء پر دستِ مبارک پھیرا۔ جب آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے آپ کو بالکل صحتیاب پایا۔

اسی خوشی و مسرّت میں علامہ بوصیری علی الصّباح بے اختیار مکان سے باہر آئے۔ راستہ میں حضرت شیخ ابو الرّجاء سے جو اپنے وقت کے قطب الاقطاب تھے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا " بوصیری! مجھے بھی وہ قصیدہ سناؤ جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں تم نے تالیف کیا ہے۔"

علامہ بوصیری کہتے ہیں اس قصیدہ شریف کا علم سوا میرے کسی کو نہ تھا۔ میں نے عرض کی۔ حضرت کونسا قصیدہ سناؤں۔ میں نے اکثر مدحیہ قصیدے لکھے ہیں۔

فرمایا۔ بوصیری! وہی قصیدہ سناؤ جس کا پہلا شعر یہ ہے

اَمِنْ تَذَکُّرِ جِیْرَانٍ بِذِیْ سَلَمٖ

میں نے حیرت سے عرض کی " اے ابو الرّجا! یہ قصیدہ آپ نے کہاں سے یاد کیا۔ یہ قصیدہ تو میں نے سوائے اپنی سرکار کے کسی کو نہیں سنایا ہے۔"

شیخ ابو الرّجا نے فرمایا:۔

" بوصیری! ہاں وہی قصیدہ سناؤ جو تم نے گذشتہ شب بارگاہِ نبوت میں پیش کیا تھا۔ بوصیری!

Marfat.com

ہیں نے یہ قصیدہ شب گزشتہ ہی سنا ہے۔ تم یہ قصیدہ دربارِ نبوت میں عرض کر رہے تھے اور سرکار اس کو سن کر پسندیدگی کیلئے پھلوں سے بھری ہوئی ڈالی کی طرح ایسے تمایل فرما رہے تھے جیسے وہ ڈالی نسیم ریاح کی حرکت سے ہلنے لگتی ہے۔"

علامہ بوصیری کہتے ہیں۔ یہ جواب پاکر میں نے علی الفور یہ قصیدہ ان کو سنایا۔ وہ بہت مسرور ہوئے بس اس کے بعد سارے شہر میں اس قصیدہ کی دھوم مچ گئی۔

صاحب الشوارد الفردہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شدہ شدہ اس واقعہ کی اطلاع ملک الظاہر کے وزیر بہاؤالدین تک پہنچی۔ انہوں نے قصیدہ شریف کی نقل کی اور عہد کیا کہ اس قصیدہ مبارکہ کو روزانہ برہنہ پا کھڑے ہو کر سنوں گا چنانچہ اس کی برکت سے اس کے بہت سے کام پورے ہوئے۔

پھر سعدالدین فاروقی وزیر موصوف کے فرمان نویس کو آشوب چشم ہوا حتیٰ کہ بصارت جانے رہنے کا اندیشہ ہو گیا خواب میں کسی نے کہا کہ بہاؤالدین سے قصیدہ بردہ لیکر آنکھوں سے لگا ڈ۔ وہ گئے اور خواب بیان کیا۔

بہاؤالدین نے کہا۔ بردہ تو معلوم نہیں۔ البتہ حضورِ اکرم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدحیہ اشعار کا ایک مجموعہ میرے پاس ہے جو شفائے امراض میں خاص اثر رکھتا ہے۔

چنانچہ سعدالدین نے وہ قصیدہ لیا۔ آنکھوں سے لگایا اور پڑھوا کر سنا علی الفور صحت یاب ہو گئے قارئین کرام کے لئے اس قصیدہ مبارکہ کے چند اشعار مع ترجمہ کے پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ إِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَيْفٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ اللهِ مَسْلُوْلُ	ترجمہ: حضور برہنہ تلوار ہیں اور اس کی چمک دمک سے نورِ ہدایت عالم میں پھیل رہا ہے۔
۲۔ نَبِيُّنَا الْاٰمِرُ وَالنَّاهِيْ فَلَا اَحَدٌ اَبَرَّ فِيْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمِ	ترجمہ: ہمارے نبی حکم دینے والے نہی فرمانے والے ہیں کہ آپ کا مثل کوئی نہیں صدقِ وعدہ میں اور "ہاں" اور "نا" میں۔

Marfat.com

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

ترجمہ: تمام معجزات جو انبیاء کرام سے ظاہر ہوئے وہ سب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کی لمعانیت و تابانیت سے حاصل ہوئے۔

۴- فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ
وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

ترجمہ: حضور کے متعلق ہمارا انتہاء علم یہ ہے کہ وہ بشر ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقاتِ الٰہیہ سے افضل و اعلیٰ ہیں

۵- فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

ترجمہ: ہمارے حضور فضل و شرف کے سورج ہیں اور تمام انبیاء کرام اسی آفتاب سے فیض پانے والے ستارے ہیں جو تاریکی میں روشنی دکھاتے چلے آئے ہیں۔

۶- وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيْقَتَهٗ
قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

ترجمہ: کوئی دنیا میں حضور کی حقیقت کو کیسے جان سکتا ہے جب کہ قوم دنیا کے خواب غفلت میں سو رہی ہے

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

۷- دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمِ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

ترجمہ: بس حضور کی ایسی مدح نہ کر جو عیسائیوں نے اپنے نبی کی شان میں کہی کہ (ابن اللہ نباذ اللہ) لیکن اس کے سوا (جو فضل و شرف اور کمال حضور کی ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کرنا چاہے) اور آپ کی مدح میں کہنا چاہے حکم لگا اور فیصلہ کرکے کہہ۔

درد بیماری نہیں دولئے بیداری ہے جس سے قلبی لگاؤ ہوتا ہے درد میں اسی کی یاد آتی ہے۔ (م ر)

Marfat.com

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِىْ
وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ
مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ

فِى الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ

فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ
الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا

Marfat.com

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

الاحزاب

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

Marfat.com

نکاح وطلاق سے متعلق ـــــ بعض اہم مسائل

عورت کو طلاق کا حق

خاوند کی طرح بیوی کو طلاق دینے کا حق دینا. قرآن وحدیث کی صریح نصوص کے خلاف ہے ـــــ قرآن نے مرد کو قوام قرار دیا ہے۔

الرجال قوامون علی النساء	مرد عورتوں پر حاکم ہیں. اس فضیلت
بما فضل اللہ بعضھم علیٰ	کی بنا پر جوان کے بعض پر دی گئی. اور
بعض و بما انفقوا من	اس لیے کہ وہ اپنے اموال خرچ
اموالھم۔	کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بعض ایسی طبعی خصوصیتیں اور قوتیں ہیں، جو صرف مرد کو دی گئی ہیں. عورتوں کو نہیں۔ انہیں طبعی قوتوں کی بناء پر مرد اپنے اہل کے نان ونفقہ کا، اولاد کی تربیت اور خاندان کے تمام امور کا ذمہ دار ہوتا ہے. مرد کی یہ برتری ان کی مشترک زندگی میں سرداری حاکمیت کی برتری ہے۔ اور مرد کی ذمہ داریوں کا تقاضا بھی یہی ہے. کہ اس کو یہ مقام حاصل ہو۔ چنانچہ اسی برتری کی بناء پر میراث بھی مرد کو ڈبل ملتی ہے اور اس کو تعدد ازدواج کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ اور طلاق کا دینا بھی مطلقاً اس کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۲. قرآن میں جہاں عورت ومرد کے حقوق کا بیان ہے. وہاں اس حقیقت کا اظہار بھی واضح لفظوں میں کر دیا گیا ہے۔ کہ گو عورت ومرد حقوقِ انسانیت میں برابر ہیں۔ مگر مرد کو بہر صورت عورت پر درجہ حاصل ہے۔

Marfat.com

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ

عورتوں کے لیے معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں۔ جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں (مگر اس کے باوجود) مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے۔"

اور وہ یہ ہے کہ عقدِ نکاح تک تو طرفین کی رضا کا ہونا ضروری ہے۔ مگر مرد کی قوامیت اور اس درجہ کی بلندی کی وجہ سے اس عقد کو توڑنے کا حق صرف مرد کو ہے۔ عورت مرد سے طلاق مانگ سکتی ہے۔ مگر از خود جدا نہیں ہو سکتی۔

۳۔ الذی بیدہٖ عقدۃ النکاح۔ "وہ مرد جس کے اختیار میں عقدِ نکاح ہے"۔

۴۔ یہ ہی وجہ ہے کہ قرآن میں جہاں طلاق دینے کا ذکر آیا ہے۔ تو طلاق کا فاعل صرف مرد کو بنایا گیا ہے۔ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں طلاق دینے کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہو

۱۔ فاذا طلقتم النساء ۲۔ ان طلقتم النساء

۳۔ فاذا طلقتم النساء فطلقوھن ۴۔ اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن

اس کے برعکس اس سلسلہ میں جب عورت کا ذکر آیا ہے۔ تو مطلقات (یعنی وہ ذات جس پر طلاق واقع ہوئی) سے آیا ہے، تو اگر عورت کو بھی مرد کی طرح طلاق دینے کا حق ہوتا، تو کہیں تو طلاق کا فاعل عورت کو بنایا جاتا۔

۵۔ اسی طرح سنّتِ نبوی میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں عورت کو طلاق دینے کا حق تسلیم کیا گیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلطَّلَاقُ لِمَنْ اَخَذَ السَّاقَ۔ خود یورپ کے ارباب اختیار نے عورتوں کو طلاق کا حق دے کر اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر لیا ہے۔ اور وہاں کے عوام و خواص اس غیر فطری آزادی دیے جانے کو سخت تشویش کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

Marfat.com

یورپ میں طلاق کا مسئلہ

انگلستان میں شادی کی ناکامی اور طلاق کا مسئلہ کچھ عرصہ سے نازک صورت اختیار کر گیا ہے۔ اگرچہ کلیسا اور دوسرے سوشل ادارے اس پریشان کن مسئلہ کی طرف پُراثر توجہ دے رہے ہیں۔ مگر اس کا حل تلاش نہیں کر پاتے۔

انگلستان میں ۱۹۴۷ء میں کوئی ساٹھ ہزار طلاقیں ہوئیں۔ یہ تعداد زمانہ جنگ کی سالانہ تعداد سے آٹھ گنا زیادہ تھی۔ اس کے بعد کسی نہ کسی طرح طلاقوں کی بھرمار پر قابو پایا گیا۔ مگر پھر بھی ہر سال تیس ہزار طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ نیشنل میرج گائیڈنس کونسل لندن کے سیکرٹری مسٹر ہیشبا نے بی بی سی ٹیلی ویژن پر ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ:

"اس بیماری کا سب سے بڑا سبب مرد و عورت میں مساوات ہے۔ از روئے قانون ہے، یا رواج، جہاں بھی مرد و عورت مساوی تسلیم کیے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر شادیوں کی ناکامیوں کی صورت میں نکلے گا۔"

انگلستان میں عورتیں مرد کی کوئی بات سننا گوارا نہیں کرتیں۔ رعب اور دھونس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں مرد نے ذرا آنکھیں دکھائیں۔ میم صاحبہ طلاق کے لیے رجسٹرار کے دفتر میں جا پہنچیں۔ برطانیہ کے لاٹ پادری آرچ بشپ آف کنٹربری نے شادی و طلاق کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے طلاق کے جو اعداد و شمار پیش کیے تھے۔ اس سے اندازہ لگائیے۔ کہ ستر سالوں میں اس ملک میں طلاقوں میں کس قدر اضافہ ہوا۔

سال	شادیاں	طلاقیں	سال	شادیاں	طلاقیں
۱۸۷۱	۱۹۰۱۱۲	۱۷۱	۱۹۳۳	۳۱۸۱۹۱	۴۰۴۲
۱۹۱۸	۲۶۷۲۱	۵۹۵	۱۹۵۳	۳۴۴۴۸۸	۳۰۳۶۶
۱۹۲۰	۳۷۹۹۸۲	۳۰۹۰	—	—	—

Marfat.com

یہ خلاصہ ہے اُس مکتوب کا جو نمائندہ "نوائے وقت" مقیم لندن نے "نوائے وقت" ۲۸ مئی ۵۶ء میں شائع کرایا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ عورتوں کو طلاق کا غیر فطری حق دیئے جانے سے کتنے بُرے نتائج رُونما ہو رہے ہیں۔

پھر وہاں عورتیں اپنے شوہروں کو کس بنا پر طلاق دے دیتی ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

- میرا خاوند میرے آداب سے واقف نہیں ہے۔
- یہ میری بلّی کا بوسہ نہیں لیتا۔
- اس کے چہرے پر نحوست برستی ہے۔
- اس کی خرخراہٹ سے میری نیند میں خلل آتا ہے۔

ایسی مضحکہ خیز وجوہات کی بنا پر انگلستان کی عورت اپنے خاوند کو ٹھکرا دیتی ہے۔ غور کیجئے، کیا طلاق دینے کی یہ وجوہات کوئی معقولیت رکھتی ہیں؟

اسلام نے اگر طلاق کا حق مرد کو دیا ہے، تو عورت کے مزاج اور اس کی فطرت اور عورت و مرد کے درمیان حقوق و اختیارات کے تناسب کے لحاظ سے ہی دیا گیا ہے۔

نیز اسلام نے نان نفقہ، بچوں کی رضاعت و حضانت کا پورا خرچ مرد پر ہی پڑتا ہے۔ نکاح کے بعد مرد کی ذمہ داریاں عورت سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ وہ اگر طلاق بھی دیتا ہے، تو بھی عورت کو کچھ دینا ہی پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ عورت کے خاندان کی پوری دشمنی بھی مول لینا پڑتی ہے۔ اس لیے مرد طلاق کا حق استعمال کرنے میں احتیاط سے کام لے گا۔

اس کے برعکس عورت پر نکاح کے بعد کوئی مالی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ اس کو ان خطرات کا بھی سامنا نہیں کرنا پڑتا جو مرد کو طلاق کا اختیار استعمال کرنے میں پڑتا ہے۔ اس لیے عورت طلاق کا حق استعمال کرنے میں سخت بے احتیاطی کر سکتی ہے۔ اور ذرا سے خلافِ مزاج واقعہ کے ظہور پر بے تکلف طلاق دے سکتی ہے۔

غرضیکہ شرعاً و عقلاً جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے۔ عورت کے لیے طلاق کے اختیار کو منتقل

Marfat.com

کر دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر اس غلط طریقہ کو رائج کر دیا گیا، تو اس سے معاشرہ میں دو ئے نتائج برآمد ہوں گے۔ جس کا تصور بھی آج ہم نہیں کر سکتے۔

تفویضِ طلاق

البتہ یہ جائز ہے کہ بوقتِ نکاح عورت خاوند کی مرضی سے شرط کرے کہ مجھے طلاق لینے کا حق ہوگا۔ لیکن یہ شرط محض شوہر کی رضا پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو معاہدۂ نکاح میں اس شرط کو درج کر دے اور چاہے تو نہ کرے۔ کیونکہ تفویضِ طلاق کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے شوہر کو طلاق کا جو اختیار دیا ہے۔ وہ چاہے تو اصالتاً یا وکالتاً جسے چاہے سونپ دے۔ اسی طرح عورت کو بھی تفویض کر سکتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مرد پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ایسا کوئی قانون ہی بنایا جا سکتا ہے کہ ہر نکاح کرنے والا معاہدہ نکاح میں تفویضِ طلاق کی شرط کو ضرور مان لے۔ کیونکہ اگر ایسا کر دیا گیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسلام نے جو اختیار مرد کو دیا ہے۔ وہ اس چھین لیا جائے۔

عورتوں کی مشکلات

اب رہا یہ سوال کہ جب طلاق کا حق صرف مرد ہی کے لیے مخصوص ہے، تو ایسی عورتیں کیا کریں، جن کے شوہر نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ اُن کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ ایسی مظلوم عورتیں موجود ہیں۔ مگر ان کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کر دیا ہے۔ کہ ایسی عورتیں عدالت میں شکائت کر سکتی ہیں۔ عدالت کا یہ فرض ہے کہ وہ عورت کو نفقہ دلوائے اور اگر شوہر کسی طرح بھی راضی نہ ہو، تو پھر عدالت شوہر سے جبراً طلاق دلوائے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ شوہر ہی سے طلاق دلوائی جائے۔ اگر وہ لاپتہ ہے، تو حکومت تلاش کروائے۔ اگر شوہر عدالت میں حاضر نہیں ہوتا، تو اس کو جبراً عدالت میں حاضری پر مجبور کیا جائے۔

اسلام کا نظریۂ طلاق

واضح رہے کہ اسلامی شریعت نے مرد کا عورت کو طلاق دینا مطلق حیثیت سے جائز رکھا ہے۔ یعنی وہ دخول سے قبل یا دخول کے بعد کسی وقت اور کسی وجہ سے بھی عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ وہ اس کا پابند نہیں ہے

Marfat.com

کہ وہ طلاق دینے کی وجوہات بتاتے یا اس کی رجسٹری وغیرہ کراتے۔ مرد کو یہ حق اسی لیے ہے کہ امور زوجیت میں مرد قوام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر عورت کا مہر لازم ہوتا ہے۔ شادی کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ عقد کیساتھ ہی بیوی کا نان نفقہ اس پر فرض ہو جاتا ہے۔ اس پر اور ہونے والی اولاد پر خرچ کرنا اسی کے ذمہ ہوتا ہے۔ ان گراں بہا اہم ذمہ داریوں کے مقابلہ میں مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق کا حق دیا گیا ہے۔

ایک دوسری حیثیت سے اس میں عورت کے لیے بھی بہتری ہے۔ اس لیے کہ مرد پر اس بات کی پابندی کہ وہ طلاق کے اسباب بیان کرے۔ بسا اوقات عورت کی بدنامی اور دوسری شادی سے محرومی کا باعث ہو جاتی ہے ـــــ پھر جب شریعت نے مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق کا حق دیا ہے، تو اس کے مقابلہ میں اس پر کچھ فرائض بھی عاید کیے جاتے ہیں جن کا مقصود عورت کے حقوق کی حمایت اور اس کے مصالح کا لحاظ ہے۔ یعنی جب مرد طلاق دے دیتا ہے۔ تو اس کے بعد بھی عورت کے تعلق سے مرد پر چند ایسی ذمہ داریاں ہیں، جن کو ادا کرنا اس پر لازم ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داریاں ایک لحاظ سے عورت کے لیے طلاق سے پیدا ہونے والے نقصانات کا بھی بدل سمجھی جا سکتی ہیں اور دوسری طرف سے یہ مرد کو طلاق کے استعمال سے قبل سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

قرآن مجید میں جہاں طلاق کے احکام کا ذکر ہے۔ ان سے مندرجہ ذیل امور کی نشاندہی ہوتی ہے۔

- طلاق دینے کا حق صرف مرد کے لیے ہے۔
- مرد غیر مشروط طور پر طلاق دینے کا حق رکھتا ہے۔ اس کو طلاق کے اسباب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
- طلاق کے حق کو استعمال کرنے سے قبل ہر ذی شعور انسان کو لازماً غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ انتہائی حالت میں ہی طلاق دیتا ہے۔

Marfat.com

• طلاق کے بعد عورت کو جو نقصان پہنچتا ہے۔ مرد کو بہر صورت اس کی تلافی کرنی ہی پڑتی ہے۔

طلاق کی صورتیں

(۱) اگر دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل دی جاتے۔ تو مرد پر متعہ دینا واجب ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

لاجناح علیکم ان طلقتم النساء	تم پر کچھ مطالبہ نہیں۔ اگر طلاق دو تم
ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن	عورتوں کو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ
فریضۃ ومتعوھن علی الموسع	لگایا ہو اور کوئی مہر مقرر کیا ہو اور ان کو
قدرہ وعلی المقتر قدرہ	کچھ برتنے کو دو۔ مقدور والے پر اس کے موافق اور تنگدست
متاعا بالمعروف حقا علی	پر اس کے لائق حسب دستور کچھ برتنے کے لیے
المحسنین۔ (بقرہ ۲۳۶)	یہ واجب ہے بھلائی والے پر"۔

۲۔ اور اگر طلاق دخول سے قبل اور مہر مقرر کرنے کے بعد دی گئی ہے۔ تو نصف مہر دینا واجب ہے۔

وان طلقتموھن من قبل	اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق
ان تمسوھن وقد فرضتم	دے دی اور ان کے لیے مہر مقرر کر
لھن فریضۃ فنصف ما	چکے تھے، تو جتنا مہر ٹھہرا تھا۔ اس کا آدھا
فرضتم۔	واجب ہے"۔

۳۔ اگر دخول کے بعد طلاق دی گئی ہے، تو عورت کو مقدار مہر مقرر ہونے کی صورت میں مقرر شدہ مہر دیا جائے گا۔ ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ شادی کے موقع پر اور اس کے بعد جن اشیاء کو مرد نے بیوی کی وہ بھی اسے دیدے۔

وان اردتم استبدال زوج	اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری
مکان زوج واتیتم احداھن	بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے

Marfat.com

قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا ط اتاخذونه بھتانا واثما مبینا۔ | چکے ہو، تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو. کیا اسے واپس لوگے۔ جھوٹ باندھ کر اور صریح جھوٹ سے"

یہ آیات اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ ان میں سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق دینے کا حق ہے۔ وہ کسی وجہ سے بھی طلاق دے سکتا ہے۔ طلاق کے اسباب بتانے کی ذمہ داری اس پر عاید ہوتی نہیں۔ وہ ایک کو طلاق دے کر دوسری شادی بھی کر سکتا ہے اور عاقل و بالغ مرد کی طلاق بہر صورت لازم و جائز ہو جاتی ہے۔

عدت کی ذمہ داری

نیز عورت کی عدّت ختم ہونے اور اس کے کسی دوسرے سے نکاح کے قابل ہونے تک اس کا نان و نفقہ سکنی دے۔ اگر مطلّقہ حاملہ ہے، تو اس کی عدّت وضع حمل ہے۔

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (طلاق) | اور حاملہ عورت کی عدّت وضع حمل ہے۔

اور اگر حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت تین قروء ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین حیض اور امام شافعی کے نزدیک تین طہر اور اگر حائضہ ہے) تو اس کی عدّت کامل تین ماہ (قمری مہینہ سے) ہے"۔

نکاح کی عمر

قرآن و حدیث نے نکاح کے لیے عمروں کا تعیّن نہیں کیا اور نہ قرآن میں ایک عمر خاص سے پہلے نکاح کو ناجائز ٹھہرانے کے حق میں کوئی دلیل موجود ہے۔

۱. فانکحوا ما طاب لکم من النساء | نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں پسند آئیں۔

۲. واحل لکم ما وراء ذالکم | (محرمات کے سوا) جو عورتیں ہیں وہ تمہیں حلال ہیں۔

Marfat.com

۳۔ والمحصنٰتُ من المؤمنٰتِ　　　اور مسلمان پارسا عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔

ان آیات میں صاف وصریح طور پر اپنی پسند سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے اور عمر کی قید نہیں لگائی گئی۔ جب قرآن نے عمر کی قید نہیں لگائی، تو کسی کو عمر کی قید لگانے کا کیا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک تمام مسلمان کمسنی کے نکاح کے جواز کے قائل رہے ہیں اور سُنّتِ نبوی میں تو اس کے جواز کی نظائر موجود ہیں۔

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ، نے اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ کا نکاح بعمر ۷ سال حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔

۲۔ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کم سنی میں ہی کیا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کمسنی میں حضرت عروہ بن زبیر رض سے کیا۔

۴۔ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکی جب بالغ ہو جائے، تو اس کا نکاح کر دو۔ مبادا وہ کسی فتنہ وخرابی میں مبتلا ہو جائے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ وسلم اور صحابہ کرام کے عمل سے کمسنی کی شادی کا جواز ثابت ہے تو پھر اس کو کیسے ناجائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

کمسنی کی شادیاں روکنے کے لیے کسی قانون کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرے میں اس کا رواج پہلے ہی بہت کم ہے۔ شاذ ہی کسی خاندان میں ایسا ہوتا ہے۔ البتہ عمر مقرر کر دینے میں بہت سی خرابیاں بھی ہیں۔

بعض اوقات کسی خاندان کی ضروری مصلحتیں اس کی متقاضی ہوتی ہیں کہ وہ کمسنی میں اپنے بچوں کی شادی کر دیں۔ عمر کی قید لگانے سے ان کی مصلحتوں کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا ہو گی

Marfat.com

مثلاً ایک غریب شخص جس کے وسائل بہت کم ہیں اور متعدد بالغ اولادیں موجود ہیں جن سے اسے عہدہ برآ ہونا ہے ۔ آج اس کو مناسب رشتہ مل رہا ہے ۔ لیکن وہ صرف اس لیے اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی نہیں کر سکتا ۔ کہ ان کی عمر میں چند ہفتہ یا چند ماہ یا سال دو سال کی دیر ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ بعد میں وہ رشتہ ہاتھ سے نکل جائے ۔ یا وسائل نہ رہیں ۔

اسی طرح ایک شخص بیمار ہے ۔ اس کو اپنی زندگی کی کچھ امید نہیں ۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنی بالغ لڑکی کا نکاح کر دے تاکہ دنیا سے سکون و آرام کے ساتھ رخصت ہو ۔ مگر عمر کا سوال حائل ہوتا ہے ۔ وہ نکاح نہیں کر سکتا ۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ لڑکی کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو ۔ اور اس کی زندگی شریروں کے ہاتھوں برباد ہو جائے ۔

ایک اور شخص ہے اور اس کا لڑکا آوارہ ہے ۔ وہ اس کی آوارگی کے سدِ باب کے لیے اس کی شادی کرنا چاہتا ہے ۔ مگر اٹھارہ سال سے پہلے اس کی شادی نہیں کر سکتا ۔ اگرچہ اس کا لڑکا غنڈہ بن کر کیوں نہ رہ جائے ۔

پھر ہمارے موجودہ معاشرہ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ عمر کی قید بالکل نہ لگائی جائے ۔ کیونکہ آج عافیت اسی میں ہے کہ لڑکے یا لڑکی کے سنِ بلوغ پر جانے کے فوراً بعد نکاح کر دیا جائے ۔ نیز ہمارے ملک میں سولہ سال سے پہلے ہی لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں ۔ عمر کی قید لگانے کا مطلب یہ ہو گا کہ ان لڑکیوں کی شادی پر تو اعتراض ہے ، لیکن اگر وہ کسی دوسرے طریقے سے جنسی تعلقات پیدا کر لیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں رہا یہ سوال کہ لڑکا جوان ہو کر لڑکی کو پسند نہیں کرتا ، یا اس کا عکس یا اسی قسم کی اور بھی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں ۔ تو اس کے لیے شریعت نے طلاق مقرر کر دی ہے ۔ اگر بالغ ہونے کے بعد زوجین میں نباہ کی شکل نہ ہو سکے ۔ تو طلاق لے لی جائے ۔ اور اگر شوہر طلاق نہ دے ۔ تو عدالت میں اس سے جبراً طلاق دلوائی جائے ۔ پھر اگر نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ دادا کے علاوہ کسی ولی نے کر دیا ہے ، تو ایسی صورت میں بعد از بلوغ لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار رہے ۔ البتہ دقت اس صورت میں پیش آسکتی ہے جب کہ نابالغہ کا نکاح اس کے باپ

Marfat.com

یا دادا نے کیا، تو اب لڑکی کو بعد از بلوغ فسخ نکاح کا اختیار نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ جو ولی نکاح کرے گا۔ اس میں شفقت و محبت کا احتمال ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس ولی نے لڑکی کے مستقبل کی درستگی کے لیے معقول قدم نہ اٹھایا ہو۔ لیکن باپ دادا کی شفقت و محبت کامل ہوتی ہے۔ وہ بہرحال کمسنی میں بھی اپنی لڑکی کا جہاں نکاح کریں گے۔ حتی المقدور اس کی بھلائی اور مستقبل کا خیال رکھ کر ہی کریں گے۔ گویا باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ایسے ہی ہے۔ جیسے خود بالغ لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کرلے۔ پھر جیسے بالغ لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کرتی ہے، تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد زوجین میں نباہ نہ ہو اور اس صورت میں اس کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے۔ ایسے ہی جب باپ دادا نابالغہ کا نکاح کر دیتے ہیں، تو خوب سوچ سمجھ کر اور لڑکی کے مصالح کا خیال رکھ کر ہی کرتے ہیں۔ اب یہ تو اتفاق ہے کہ جوان ہو کر زوجین میں نباہ نہ ہو سکے۔ اس لیے باپ دادا کا کمسنی میں کیے ہوئے نکاح کو کوئی فسخ نہیں کر سکتا۔ لیکن اس صورت میں بھی عورت کو عدالت میں یہ شکایت کرنے کا حق حاصل ہے کہ میرا خاوند میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ عدالت ثبوت مہیا ہونے کی صورت میں عورت کے حقوق پورے کراتی اور بصورتِ دیگر خاوند سے جبراً طلاق بھی دلوا سکتی ہے۔

شریعت نے نکاح کے انعقاد کے لیے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کو کافی قرار دیا ہے۔ جب نکاح کے ارکان اور شرائط پائے گئے، نکاح لازم و جائز ہو جائے گا قرآن و سنت نے نکاح کے جواز و لزوم کے لیے فارم نکاح پر زوجین کے دستخط نشان انگوٹھا۔ رجسٹری حتیٰ کہ بوقتِ نکاح مہر کا ذکر بھی ضروری نہیں بتایا لہٰذا اس قسم کی شرطوں کو جوازِ نکاح کے لیے ضروری قرار دینا شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔

طلاقِ ثلاثہ تمام آئمہ کرام و جمہورِ مسلمین نے قرآن و حدیث سے یہ ہی سمجھا کہ بیک وقت دی گئیں تین طلاقیں۔ تین ہی قرار دی جائیں گی اور اس عمل سے بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ تین طلاق دیے جانے کی صورت میں دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

Marfat.com

كل طلاق جائز الا طلاق الصبى والمعتوه۔ ہر شخص کی طلاق (خواہ وہ کسی طرح دی گئی ہو) واقع و نافذ ہو جاتی ہے۔ مگر بچہ اور دیوانہ کی۔

نیز یہ بات بھی قابلِ غور و فکر ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کہ طلاق میں کمی ہو جائے۔ یہ کہ اس طرح طلاق کو لغو قرار دے دیا جائے۔ لیکن یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک تو لامحالہ ماننا پڑے گا اور ایک طلاق سے بھی نکاح ٹوٹ سکتا ہے۔ مذکورہ بالا قانون بن جانے کے بعد لوگ بیک وقت تین تو نہ دیں گے۔ صرف ایک ہی طلاق دے کر عدت گزارنے دیں گے۔ یہاں تک کہ بعد از عدت وہ ایک طلاق سے بائن ہو جائے گی۔

یا پھر یوں وہ شریعت کی ہدایت کے مطابق طلاق احسن دے کر بیوی کو اپنے نکاح سے خارج کر دیا کریں گے۔

تعددِ ازدواج

یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ تعددِ ازدواج ممنوع ہے، جواب یہ ہے کہ اسلام میں تعددِ ازدواج ممنوع نہیں ہے۔

دوم یہ کہ دوسری شادی کے لیے عدالت کی اجازت جوازِ نکاح کے لیے ضروری ہے۔ تو اصل یہ ہے کہ شریعت نے نہ عقدِ اوّل کے لیے عدالت کی شرط باندھی ہے اور نہ عقدِ ثانی، ثالث و رابع کے لیے۔ اسلام میں ایک مرد کو اس امر کی کھلی اجازت ہے کہ وہ جب چاہے نکاح ثانی و ثالث و رابع کرے۔ چنانچہ قرآن کریم نے جہاں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ وہاں بعض پابندیاں تو ضرور عائد کی ہیں۔ لیکن عدالت سے اجازت حاصل کرنے کی کوئی پابندی نہیں لگاتی ہے۔

فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربٰع۔ نکاح کرو جو عورتیں تم کو خوش آئیں۔ دو دو، تین تین، چار چار۔

Marfat.com

فانْ خفتمر ان لاتعدلوا فواحدۃً — اگر تم ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے :

۱۔ بیک وقت چار سے زیادہ شادیاں نہیں ہو سکتیں۔

۲۔ یہ کہ ان بیویوں میں حتی الامکان مساویانہ سلوک کیا جائے۔

۳۔ یہ کہ اگر عدل نہ ہونے کا اندیشہ لاحق ہو، تو پھر ایک ہی پر اکتفا کیا جائے۔

اگر عدالت سے اجازت کی شرط قرآن عاید کرنا چاہتا۔ تو ان کے سامنے اس کا بھی صاف صاف ذکر دیتا۔ لیکن عدالت سے اجازت کی شرط تو درکنار اس آیت میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔ لہٰذا عدالت سے اجازت کی پابندی صریحاً قرآن کے خلاف ہے۔ ایک اور قرآن کی آیت ملاحظہ فرمایئے۔

فان اردتمر استبدال زوج مکان زوج و اتیتم احداھن قنطاراً فلاتاخذوامنه — اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت اور دے چکے ہو ایک کو بہت مال، تو وہ اس سے واپس نہ لو۔

یہ آیت دوسری شادی کے جواز کے لیے واضح ہے۔

اگر چاہو تو دوسری شادی کر سکتے ہو۔ مگر پہلی بیوی کو جو اشیاء دے چکے ہو۔ خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ واپس مت لو۔

غور کیجیے قرآن نے دو جگہ شادی کا ذکر کیا ہے۔ مگر دونوں مقام پر نہ یہ قید ہے کہ عدالت سے اجازت لے کر دوسری شادی کی جائے اور نہ یہ قید ہے کہ عدالت اس امر کا اطمینان کر کے کہ یہ دونوں بیویوں کا خرچ اٹھا سکے گا۔ اجازت دے۔ اور نہ اس امر کی قید ہے کہ موجودہ بیوی کی اجازت سے دوسری شادی کی جائے۔

Marfat.com

اصل یہ ہے کہ تعدد ازدواج کے معاملے میں اسلام نے یہ ہدایت تو ضرور کی ہے کہ تمام بیویوں میں عدل وانصاف رکھا جائے اور جو شخص عدل قائم رکھنے کی طاقت نہیں پاتا، وہ ایک پر اکتفا کرے لیکن عدل وانصاف قائم رکھنے کی مرد میں قدرت ہے یا نہیں۔ یہ سب امور مرد کی صوابدید پر چھوڑے گئے ہیں۔ جب ایک شخص ایک سے زائد شادیاں کر کے کوئی ناانصافی یا حق تلفی کرتا ہے، تو اسلامی قانون اس صورت میں مداخلت کرتا ہے اور مرد کو اپنی بیویوں کے حقوق مساوی طور پر ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے وہ اس معاملہ میں مداخلت نہیں کرتا کہ مرد عدل وانصاف قائم رکھ بھی سکتا ہے یا نہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری شادی کی اجازت کے لیے یہ معلوم کرنا کہ مرد اپنی بیویوں میں عدل وانصاف قائم رکھنے کی قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ اس کی ضابطہ بندی ہو ہی نہیں سکتی اور جو شخص اس معاملہ میں کوئی حتمی ضابطہ مقرر کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو اس کا یہ قدم قانونِ فطرت کے یقیناً خلاف ہو گا۔

بتایئے آپ کے پاس اس کا کیا ذریعہ ہے کہ ایک شخص کا ذریعہ آمدنی نہ صرف دونوں بیویوں کے لیے کفایت کرے گا۔ بلکہ ان سے پیدا ہونے والے بچوں کے لیے بھی کفایت کرے گا۔ اور یہ کہ دونوں کے لیے یکساں انصاف بھی کرے گا اور یکساں محبت بھی کرے گا۔ یہ کون بتا سکتا ہے کہ اس کے کتنے بچے ہوں گے اور جو آمدنی آج اس کی ہے، وہ کل بھی رہے گی۔ جو شخص بھی نئی شادی کی اجازت لینے کے لیے عدالت میں جائے گا۔ وہ تو یہی کہے گا کہ میں دونوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کروں گا۔ دونوں پر جان نثار کروں گا۔ آخر کیسے معلوم کیا جائے گا۔ کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے۔ شادی کے بعد بھی اس پر عمل کرے گا؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات تو درست ہے کہ اس معاملہ میں کوئی ضابطہ مقرر نہیں کیا جا سکتا، مگر اس کے مال واسباب جائیداد اور ذرائع آمدنی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں بیویوں کے اخراجات اٹھائے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اندازہ کی بنیاد صرف امکان پر ہو گی اور محض امکان کی بنیاد پر کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا قانون کی بنیاد ہمیشہ ٹھوس اور محکم اصولوں پر ہوا کرتی ہے محض اس امکان پر کہ چونکہ اسکے

Marfat.com

ذرائع آمدنی قائم رہیں گے اس لیے اس کو دوسری شادی کی اجازت دے دو۔ کہاں کی عقلمندی ہے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جس شخص کو ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی سے روکا جا رہا ہے، شادی کے بعد مالدار ہو جائے۔

پھر اسی شق کو لے لیجئے کہ عدالت اس کے موجودہ ذرائع آمدنی کا جائزہ لے کر اجازت دے گی۔ تو عدالت صرف موجودہ حالت کا ہی جائزہ لے سکتی ہے۔ مگر کیا خبر کہ اس سیکنڈ میں جو اندازہ لگایا گیا ہے، وہ دوسرے سیکنڈ میں بھی وہی رہے گا۔ دراصل سوال اس معاملہ میں موجودہ حالت کا نہیں۔ بلکہ آئندہ حالات کا ہے اور آئندہ حالات کی کیا نوعیت ہو گی؟ شوہر اپنے وعدہ پر قائم رہے گا یا نہیں۔ اس کی آمدنی کے ذرائع بدستور جاری رہیں گے یا ختم ہو جائیں گے۔ یہ کون جا سکتا ہے؟

علاوہ ازیں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عدل کا حکم صرف دو بیویوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ایک بیوی ہو تو بھی عدل واجب ہے۔

علاوہ ازیں پھر کیا وجہ ہے کہ جو شخص ایک بیوی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کی کفالت نہ کر سکتا ہو۔ اس پر کوئی پابندی نہ عاید کی جائے۔ حالانکہ اصولی طور پر تو صرف ایک نکاح کرنے والے کے لیے بھی عدالت کی اجازت لینا ضروری ہونا چاہیئے ——— اور جب تک نکاح کا ہر خواہش مند عدالت کو مطمئن نہ کر دے۔ اس وقت تک کسی کو نکاح کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔

عدالتی اجازت کا ایک نتیجہ یہ بھی ہو گا کہ صرف غریب طبقہ کے لیے تو عقدِ ثانی کی ممانعت کر دے گی۔ مگر امیر لوگ بہر صورت ایک سے لے کر چار شادیاں کر سکیں گے۔ کیونکہ وہ اپنی مالی پوزیشن سے متعلق عدالت کو یقین دلا سکتے ہیں۔

۴۔ پھر اس پابندی کی ایک دلچسپ کمزوری یہ بھی ہے کہ عدالت صرف یہ دیکھ کر دوسری شادی کی اجازت دے دے گی۔ کہ یہ شخص دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کی کفالت کر سکتا ہے۔ لیکن اس

Marfat.com

کی کیا ضمانت ہو گی کہ وہ شادی کرنے کے بعد عملاً بھی متکفل ہو گا۔ ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ باوجود بڑی بڑی آمدنیاں رکھنے کے، لوگ ایک بیوی کو تو اچھی طرح رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان کا برتاؤ ٹھیک نہیں ہوتا، بلکہ پہلی کو معلق چھوڑ دیتے ہیں۔ عدالت کی اجازت کی پابندی ان خرابیوں کا کیا سدِّباب کر سکتی ہے۔ اس لیے حق یہ ہی ہے کہ ان تمام خام تجویزوں کی بجائے شریعت اسلامیہ کے اس قاعدہ ہی پر اکتفا کرنا چاہیئے کہ ایک شخص ایک سے زائد نکاح کے معاملہ میں اپنی مرضی کا مختار ہے اور جس بیوی کو بھی شوہر سے کسی قسم کی بے انصافی کا شکوہ ہو۔ تو اس کے لیے عدالت کا دروازہ کھلا ہے۔

تجسّسِ عیوب — اسلام کی نظر میں

انسانوں میں صرف انبیاء کرام ہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو ہر قسم کے گناہوں سے پاک و منزہ اور معصوم و محفوظ ہیں۔ عام انسان خواہ وہ علم و فضل اور روحانیّت کے کیسے ہی اعلیٰ مقام پر فائز ہوں معصوم نہیں ہیں۔ نسیان خصائصِ انسانیّت سے ہے اور خطاء شعارِ آدمیّت سے بلکہ خطاء تو اللہ عزوجل کی پاک و معصوم مخلوق ملائکہ مقربین سے بھی ممکن ہے۔ انسان سے قصد و عمد نسیان و خطاء کی بنیاد پر گناہ ہوتے ہیں۔ اور کوئی شخص ہر قسم کے گناہوں سے پاک و معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ تمام انسانوں میں اخلاقی و دینی کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور خطا و نسیان و عصیان و طغیان سے بالکل پاک و صاف بہت مشکل ہے۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ جہاں اس نے فضائل اخلاق کی خوبیوں اور اس کے ثمراتِ عالیہ و نتائج غالیہ کو بیان کیا ہے۔ وہاں رذائل اخلاق کی تعریف و حدود اور اس کی خرابیوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ تا کہ مسلمان اخلاقِ حسنہ کو اپنا کر دینی و دنیوی ترقی اور سعادت کی منزل پر پہنچ جائیں اور اخلاقِ مذمومہ کو ترک کر کے اسکے دینی و دنیاوی نقصانات سے محفوظ ہو جائیں۔ رذائلِ اخلاق میں سے نہایت قبیح

Marfat.com

اور معاشرہ کے لیے نہایت نقصان دہ خصلت۔ تعمق۔ تشدد تجسس و تفتیش بھی ہے۔
عام طور پر اسے نہایت معمولی اخلاقی بیماری سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اسے بیماری خیال ہی نہیں کیا جاتا
مگر کتاب و سنّت کی نصوص صریحہ کی روشنی میں یہ نہایت معیوب اور سخت مذموم اخلاقی بیماری
ہے۔ عام بیماری ایسے لوگوں میں بہت جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ جو دیندار صوم وصلواۃ کے پابند
ہوں۔ یا عالم دین اور مبلّغ اسلام ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے۔ نماز روزے کا پابند یا عالم دین
اعمال صالح کی بنا پر بعض اوقات اپنی ذات میں ترفع و تنزہ کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ یعنی وہ
یہ خیال کرتا ہے کہ میں شریعت پر عمل کرتا ہوں امور خیر میں حصہ لیتا ہوں۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت
کا فرض ادا کرتا ہوں۔ لہٰذا میں دوسروں کی نسبت بہت مقدّس، پرہیزگار متقی و محتاط ہوں
یوں کہہ لیجئے کہ اپنی عبادت و ریاضت تقویٰ و طہارت پر تکبر و غرور اعتماد و ناز دوسروں پر اپنی
ذات کے تفوق و برتری کا خیالِ فاسد ایسے لوگوں کو دوسرے مسلمانوں کی خالص نجی۔ ذاتی اور گھریلو
زندگی کے عیوب اور اخلاقی کمزوریوں کی تلاش و تفتیش و جستجو کی ٹوہ لگانے کا مریض بنا دیتا ہے آپ
حیران ہوں گے کہ جب کسی شخص میں مسلمانوں کے تجسّس، عیوب اور تفتیش کا مرض پیدا ہو جائے تو
وہ اپنے اس مذموم مرض کی ذلت و قباحت کو محسوس نہیں کرتا —— بلکہ اسے دینی خیر خواہی
اور کار خیر سمجھتا ہے۔

زاہد نگاہِ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ
کیا جانے اس کریم کو تو ہے کہ وہ پسند

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں، اور شارع اسلام حضور سید المرسلین،
خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشادِ فیض بنیاد کی تصریحات جلیلہ جمیلہ کی رُو سے ایسے
اخلاقِ مذمومہ کا مریض خواہ بظاہر صوم و صلواۃ کا پابند یا عالم دین و مبلغ شریعت ہی کیوں نہ
ہو، قوم و ملّت اور معاشرہ کے لیے فتنۂ کبریٰ ہے۔

Marfat.com

امر بالمعروف کا حکم اور تجسّس عیوب کی ممانعت

اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھی باتوں کے لیے کہنا اور بُری باتوں سے روکنا۔ قرآن پاک نے مسلمانوں کا ممتاز وصف قرار دیا ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت	تم سب سے بہتر اُمّت ہو جو لوگوں
للناس تامرون بالمعروف	کے لیے لائی گئی اچھی بات کا حکم دیتے
وتنھون عن المنکر	ہو۔ اور بُری بات سے روکتے ہو۔

سورۂ توبہ کے علاوہ سورۂ لقمان عصر بلد میں بھی اسی مضمون کا ذکر ہے۔ اور سید المرسلین علیہ السلام نے اس آیت کی توضیح میں فرمایا:

من رای منکم منکراً فلیغیرہ	جو تم میں سے خلافِ شرع بات (منکر)
بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ	دیکھے (تو طاقت وحکومت ہو) تو ہاتھ
فان لم یستطع فبقلبہ وذالك	سے روکے مٹائے۔ یہ بھی نہ کر سکے تو
اضعف الایمان	زبان سے مٹائے۔ یہ بھی نہ ہو سکے
	تو اس کو دل سے بُرا سمجھے۔ یہ درجہ سب
(مسلم کتاب الایمان)	سے کمزور ایمان کا ہے۔

لیکن وہ آیات واحادیث جن میں امر بالمعروف کا حکم ہے۔ ان میں اس بات کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ مسلمانوں کے عیوب ومعصیت کا سراغ لگایا کرو۔ من رای منکر کا مطلب تو صرف اس قدر ہے جو برائی (منکر) تم کو نظر آجائے۔ اسے ہاتھ یا زبان سے حسب روک دو۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے پیچھے پڑ جاؤ۔ ان کے داخلی معاملات کی تحقیق اور ذاتی معاملات

لے: علامہ نووی نے لکھا ہے: ولیس الامر بالمعروف۔ البحث والتنقیر والتجسس واقتحام الدور بالظنون بل ان عثر علی منکر غیر جھدہ۔ ھذا کلام امام الحرمین۔ لیس لمحتسب ان یبحث عما لم یظھر من المحرمات۔ فلا یجوز التجسس علیہ ولا کشف الاستار عنہ (ملتقطا من النووی)

Marfat.com

کی جستجو میں لگ جاؤ اور جب کسی مسلمان کی اخلاقی و عملی کمزوری کی ٹوہ لگا لو، تو پھر اس کو ٹوکو، منع کرو۔ وعظ پلاؤ اور بزعمِ خود اپنے اس فعلِ مذموم کو خلوص پر مبنی وعظ، دینی خیر خواہی اور الدین النصیحۃ قرار دے دو ـــــ حق یہ ہے کہ دینی خیر خواہی، خلوص پر مبنی وعظ ہرگز نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں تو یہ فساد ہی فساد ہے۔ اور رذائلِ اخلاق میں سے ایک نہایت ہی مذموم اور قبیح خصلت ہے۔ کیونکہ اسلام نے دوسروں کے ذاتی معائب کی تحقیق و تفتیش جس کا نام تجسّس اور ٹوہ لگانا ہے۔ سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ یہ حق تو خلیفۃ اسلام اور بادشاہِ اسلام کو بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر یا جاسوس مقرر کر کے ان کی عملی و اخلاقی حالت و کیفیّت کی جستجو کرے۔ یعنی محتسب را درونِ خانہ چہ کار۔ اسی لیے قرآن مجید میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے۔

ولا تجسسوا و لا یغتب بعضکم بعضا (حجرات)-۲	اور لوگوں کے عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

امام کبیر سیدی عبد الغنی نابلسی دمشقی حنفی اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

التجسس الذی نہی اللہ تعالیٰ عنہ و معنا لا نتبع عوارات المسلمین قال اللہ تعالیٰ ولا تجسسوا لما کان التجسس یوجب الاطلاع علی عیوب الغیر والاطلاع ربما یوقع فی الغیبۃ قال اللہ تعالیٰ بعدہ ولا یغتب بعضکم بعضا الخ ولا یغتب بعضکم بعضا (الحدیقۃ الندیہ)	یعنی تجسّس کے معنیٰ مسلمانوں کے پوشیدہ امور کی ٹوہ لگانے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے لا تجسسوا فرما کر اس کی ممانعت کر دی پھر تجسّس چونکہ غیروں کے عیوب پر اطلاع ہوتی ہے، تو اطلاع کبھی پیٹھ پیچھے دی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں فرمایا۔ ولا یغتب بعضکم بعضا (الخ) ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا

Marfat.com

ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ و تقوا اللہ تواب الرحیم (حجرات - ۲)	تم میں کوئی پسند رکھے گا. کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے، تو یہ نہیں گوارا ہوگا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ لوگوں کے ذاتی عیوب کی تلاش و جستجو بھی غیبت ہے۔ جیسے قرآن نے مردہ لاش کا گوشت اپنے دانتوں سے نوچنے سے تشبیہ دے کر اس کی کراہت و دنائت شدّت کو بیان فرمایا ہے۔

مردہ لاش کا گوشت

لوگوں کے ذاتی معائب و کمزوریوں کی ٹوہ لگانے کو، مردہ لاش کے گوشت نوچنے ایسے سخت قابلِ نفرت کام سے تشبیہ دینا جس سے ہر انسان فطرۃً گھن کھاتا ہے، نہایت بلیغ انداز میں یہ بتانا مقصود ہے۔ اس طریقۂ مذمومہ سے امر بالمعروف کا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا اور جو زاہدانِ خشک اور اہلِ تقشف بنام ورع و احتیاط عیوب مسلمین کی ٹوہ لگاتے، تجسس و تحقیق کے مرضِ ذلیل میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی نفرت و وحشت، فتنہ و فضیحت کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ بزعم خود محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اس تجسس و تعمق اور تشدد کو دینی خیر خواہی قرار دیتے ہیں اور اپنی اس روشِ فاسد کو تقویٰ و احتیاط کا نام دیتے ہیں، حالانکہ

ا۔ ہاں یہ بالکل ایک علحدہ بات ہے کہ بعض خصوصی حالات میں امراء اور سلاطین اسلام کو ملک و قوم کے مجموعی مفاد کی حفاظت و صیانت کے لیے تجسس و تحقیق کی شرعاً اجازت ہے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے۔ وذکرالماوردی فی آخر احکام السلطانیہ بابا مشتملاً علی جمل من قواعد الامر بالمعروف الخ (ملخصاً من النووی)

ایسے لوگ خواہ وہ کسی طبقہ میں ہوں۔ شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں جاہل وغافل اور مغز حکمت ومقصودِ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ سے ناواقف فتنہ پرداز اور فسادی قرار پاتے ہیں۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے، وہ راقم سمیت سب کے لیے خواہ وہ عالم ہو، فاضل ہو، مفتی ہو، مبلغ ہو، مدرس ہو، عالم ہو خاص ہو، شریعتِ اسلامیہ کا ضابطہ وکلیہ، واجب الحفظ نکتہ جمیلہ وحکمتِ جلیلہ وکوچہ سلامت وجادۂ کرامت ہے۔ اسلام میں مداراتِ خلق والفت وموانست اہم امور سے ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی خوشی کے لیے مسکرا دینا بھی عبادت ہے اور ہمارے رہبر ورہنما گنجینۂ کیمیائے عالم پیش از ہمہ پیشوائے عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ رحمت یہ ہے۔

راس العقل بعد الایمان التحبب الی الناس (طبرانی) — ایمان باللہ کے بعد لوگوں سے الفت وموانست اصولِ عقل وحکمت سے ہے۔

تجسسِ عیوب کا ایک بھیانک پہلو

دوسروں کے عیب کی تلاش وجستجو اور ٹوہ لگانا کی ممانعت کے سلسلہ میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے:

"ان تتبعت عورات الناس افسدتهم (ابوداؤد) جیدٌ نیّہٖ — اگر تم لوگوں کی ٹوہ لگاتے پھرو گے۔ تو ان کو برباد کر دو گے۔"

جس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور پھر اسے ٹوکنا۔ امر بالمعروف۔ نصح وخیر خواہی نہیں ہے۔ اصلاح کا یہ طریقہ فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ یہ کسی فرد کے اصلاح کی تدبیر نہیں ہے۔ بلکہ ہوتا ہی یہ ہے کہ واعظ وناصح کی یہ نام نہاد خیر خواہی ملال ورنج کا باعث بنتی ہے، بلکہ مخالفت کی ضد پیدا ہو سکتی ہے اور پھر اصلاح کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو سکتا ہے۔ اس لیے وحی محمدی نے (قرآن میں) لاتجسسوا کا حکم دیا اور زبانِ رسالت نے لاتجسسوا کا۔

تجسّس بدظنی اور غیبت کی ممانعت

چنانچہ کتاب مجید میں تجسس عیوب بدظنی اور غیبت کی قطعی طور پر ممانعت کی گئی۔

یا ایہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا	اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو
من الظن ان بعض الظن اثم	بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔
ولا تجسسوا ولا یغتب الخ	اور عیب نہ ڈھونڈو۔ اور ایک
الخ (حجرات)	دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

ا۔ اس آیت میں مسلمان سے بدظنی اور برے گمان رکھنے کی ممانعت فرمائی گئی۔ برا گمان یہ بھی ہے کہ محض کسی آتے جاتے کی سنی سنائی بات کی بنیاد پر محض اپنے احساس ذاتی کی بناء پر کسی بات پر ٹوکا جائے اور اس ٹوکنے کو امر خیر کی طرف توجہ دلانا سمجھا جائے۔ جیسا کہ بعض زاہدان خشک واہل تقشف کا وطیرہ ہے۔

چنانچہ اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس موضوع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ میرے معروضات کی سو فیصدی اس سے تائید و توثیق ہوتی ہے۔ اور ہم سب کا خواہ وہ علماء ہوں یا مبلغ یا عام مسلمان اس انداز کی تبلیغ و نصیحت سے جس سے فتنہ پیدا ہو احتراز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مقصود نصیحت کسی کی عزّت و ناموس سے کھیلنا نہیں۔ بلکہ اس سے اصلاح ہے۔ مسلمان سے بدظنی بدگمانی سے منع فرمایا گیا۔ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ العزیز نے زیر آیت ان بعض الظن تحریر فرمایا کہ بدظنی کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

لے (۱) شریعتِ مطہرہ میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے۔ مثلاً مسلمان نے دعوت کی اب اس کے مال و طعام کی تحقیقات کی جائے، کہاں سے آیا۔ کیسے لایا۔ حرام کا مال تو نہیں۔ بیشک سب باتیں وحشت دینے والی ہیں۔ اور مسلمان پر بدگمانی کر کے ایسی تحقیقات

Marfat.com

سے اسے ایذا دینا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ شخص شرعاً معزز و محترم ہو۔ جیسے عالم دین یا ذی عزت مسلمان۔

(۲) یہ گمان نہ کرے کہ خفیہ تحقیقات کروں گا۔ حاشا وکلّا۔ اگر اسے خبر پہنچی۔ اور نہ پہنچنا تعجب ہے اور روبرو پوچھنے سے زیادہ رنج کی صورت کما ہو مجرب و معلوم۔ نہ یہ خیال کرے کہ احباب کیساتھ ایسا برتاؤ برتوں گا۔ ہیہات احباب کو رنج دینا کب روا ہے۔

(۳) اور یہ خیال کہ شاید ایذا نہ پائے۔ ہم کہتے ہیں شاید ایذا پائے۔ اگر ایسا ہی شاید پر عمل ہے، تو اس کے مال و طعام کی حلّت و طہارت ہیں شاید پر کون عمل کرتا۔

(۴) ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ فعل فرائض و ترک محرکات کو رضاء خلق پر رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروا نہ کرے۔

(۵) اور اتیان مستحب و ترک غیر اولیٰ پر مدارات خلق و مراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ و نفرت ایذا و وحشت کا باعث ہونے سے بچے۔ اسی طرح جو عادات و رسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی شناخت و حرمت نہ ثابت ہو، ان میں اپنے ترفع و تنزہ کے لیے خلاف و جدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ائتلاف و موانست کے معارض اور مراد و محبوب شارع کے مناقض ہیں۔ ہاں ہاں ہوشیار و گوش دار کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ و حکمت جلیلہ و کوچہ سلامت و جادۂ کرامت ہے، جس سے بہت زاہدان خشک و اہل تقشف غافل و جاہل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے زعم میں محتاط و دین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت و مقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں۔ خبردار و محکم گیر یہ چند سطروں میں علم عزیز و باللہ التوفیق والیہ المصیر۔

(۵) ہرگز بنام ورع و احتیاط مسلمانوں کی نفرت و وحشت ان کی رسوائی و فضیحت یا تجسس عیوب و معصیت کا باعث نہ ہو کہ یہ سب امور ناجائز ہیں۔ شکوک و شبہات میں ورع برتنا ناجائز نہیں عجب کہ امر جائز سے بچنے کے لیے چند ناروا باتوں کا ارتکاب کرے۔ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے۔ کہ اسے محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط کر دیا۔ اے عزیز مدارات خلق و الفت

Marfat.com

و موانست اہم امور سے ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۱۲۴ تا ۱۲۷)

کہ کسی کے کلام و تحریر پرسن کر پڑھ کر، فاسد، باطل معنیٰ لیا جائے۔ اور اسے بدنام کیا جائے۔ باوجودیکہ اس کے دوسرے صحیح معنیٰ موجود ہوں۔ اور مسلمان کا حال ان کے موافق نہ ہو۔ یہ بھی بدگمانی میں داخل ہے۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی کرنا اور مومن کیساتھ برا گمان کرنا حرام ہے اور لاتجسّسوا کے ماتحت تحریر فرمایا۔ مسلمانوں کی عیب جوئی نہ کرو۔ ان کے چھپے حال کی تحقیق و جستجو و تجسّس میں نہ رہو۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ستّاری سے چھپایا ہے۔ (از خزائن العرفان ملخصا)

اور حضور سیّد عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تحسّسوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا۔ ولا تباغضوا	بدگمانی سے بچو۔ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ۔ نہ باہم حسد کرو۔ نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو۔ نہ باہم بغض رکھو، بلکہ اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔
(بخاری کتاب الادب)	

دیکھئے ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدظنی، بدگمانی لوگوں کے پوشیدہ عیوب کی ٹوہ لگانے حسد اور غیبت سے منع فرمایا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

"شب معراج میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہرہ اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیل امین سے ان کے متعلق پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے۔ ان کی عزّت و آبرو لیتے تھے۔ (ابو داؤد کتاب الادب)

Marfat.com

غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی پیٹھ پیچھے برائی کی جائے۔ مسلمانوں کی عیب جوئی اور اس کی تحقیق و تفتیش بھی غیبت ہے۔ بلکہ غیبت کی تعریف میں عدم موجودگی اس کا ضروری جز نہیں ہے۔

حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا غیبت کسے کہتے ہیں۔ فرمایا تمہارا اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرے۔ عرض کیا گیا اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں تو؟ حضور نے فرمایا اگر وہ عیب اس میں موجود ہے، تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر نہیں ہے، تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

(ابو داؤد کتاب الادب)

معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کرنا، غیبت کی تعریف کا ضروری جز نہیں ہے۔ البتہ اہلِ لغت کے نزدیک جو عیب عدم موجودگی میں بیان کیا جائے غیبت ہے اور جو سامنے بیان کیے جائیں سب و شتم ہے۔ بہرحال ممنوع و حرام دونوں ہی ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی رذالت و دناءت کو اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا سے بیان کیا گیا۔ کہ لوگ شدتِ غم میں بھائی کی مردہ لاش دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے حتیٰ کہ بحالتِ اضطرار بھی اگر بکری یا سور کا مردار گوشت مل جائے۔ تو کوئی انسان ان کا گوشت کھانا پسند نہیں کرے گا۔ تو جو شخص اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ وہ کس قدر سنگدل اور شقی القلب قرار پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جرمِ غیبت کی عالمِ برزخ میں یہ سزا مقرر کی گئی کہ خود اپنا گوشت نوچتے رہیں۔ حتیٰ کہ ایک بار سخت بدبو پھیلی، تو حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا:

جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے۔ جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں!

(ادب المفرد باب الغیبۃ)

اس کے ساتھ یہ نکتہ بھی یاد رکھیں کہ معاملات میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں، جہاں

Marfat.com

تخصیص کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی کی برائی بیان کرنا اخلاقاً اچھی بات ہے، لیکن خود اخلاق کا تقاضا یہ بھی ہے۔ واقعی برائیوں کو جو ظاہر ہوں بیان کیا جائے تاکہ لوگوں کو اس پر تنبیہ ہو۔ اگر یک قلم روک دیا جائے۔ تو اصلاح حال اور برائی کی روک تھام کی کوئی صورت نہ ہو سکے گی۔ قرآن نے بد مذہبوں بے دینوں کا نام لے کر ان کی برائی بیان فرمائی ہے کہ ان کی برائیاں عالم آشکارا تھیں۔ اسی طرح جو برائی علانیہ کی جائے۔ ان میں بعض اوقات کسی فردِ خاص کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تو یہ اور اسی کیفیت و نوعیت کی دوسری صورتیں دراصل غیبت میں شامل نہیں جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ لیکن تصویر کے اس رُخ کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ قرآن مجید اور احادیثِ رسول میں کافروں مشرکوں۔ فاسقوں کی علانیہ برائیاں بیان کی گئی ہیں۔ مگر سوائے چند خاص حالتوں کے کسی کا نام نہیں لیا گیا۔ بلکہ عموم کیساتھ پردہ میں۔ یا صیغہ مجہول کے ساتھ یا وصف کیساتھ، یوں کہا گیا ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ کفر کرتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے۔ تو یہ طریقہ تعبیر بہر حال شارع علیہ السلام کو مطلوب و محمود ضرور ہے کہ انداز ادا عمومی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مقصودِ تبلیغ و نصیحت یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسی کو بدنام کیا جائے اور اس کی بے عزتی کی جائے۔ غلو و تشدد کر کے اسے مشتعل کیا جائے اور ضد و کد پیدا کی جائے۔ بلکہ مقصود وعظ و نصیحت اس کی اصلاح و تزکیہ ہے۔ دوسروں کے ذاتی معائب کی تحقیق و تفتیش اور ٹوہ لگانا۔ یہ بالکل ایک علحدہ چیز ہے اور رذائل اخلاق میں سے نہایت قبیح خصلت ہے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تتبعوا عوراتهم فانه من	لوگوں کے پوشیدہ امور کا تتبع و تجسس
تتبع عورة اخيه تتبع الله	نہ کرو جو ایسا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ بھی
عورته يفضحه ولو كان	اس کے امور پوشیدہ کا تتبع فرمائے
فی جوفِ بيته (حدیقة)	گا اور لوگوں میں ایسا شخص بے عزت
مَن سَتَرَ علی مسلم	ہو گا۔ اگرچہ مکان کے گوشہ میں چھپ

Marfat.com

ستر اللہ فی الدنیا والآخرۃ رہے۔ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے

(حدیقۃ الندیہ) گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس

کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے محض ایک مسئلہ شرعی کی وضاحت اور عوام تک حدود و نصیحت و اندازِ تبلیغ کی شرعی حیثیت کو پہچانا ہے، جو مسلمان بھائی کتاب و سنت کی ان ہدایات کو مطالعہ میں لائیں۔ وہ اپنے لیے بھی اور خصوصی طور پر راقم الحروف کے لیے ان ہدایات پر عمل کرنے اور عملی طور پر قبول کرنے کی بارگاہ الٰہی سے توفیق مانگیں۔

دینِ مصطفیٰ علیہ السلام

عقائد۔ عبادات، نماز، روزہ، حج زکوٰۃ معاملات اور زندگی میں پیش آنے والے نت نئے مسائل سے متعلق قرآن و حدیث و فقہ حنفی کی روشنی میں احکامِ اسلامیہ کا بے نظیر مجموعہ علامہ رضوی کی تازہ تالیف بچوں اور جوانوں اور مستورات کے لیے دینیات کی آسان عام فہم کتاب ایک ایسی کتاب جو آپ ہر طبقہ کو بطورِ تحفہ دے سکتے ہیں۔ صفحات ۵۰۰، کتابت طباعت آفسٹ، مجلد سنہری۔ مبلغ بائیس ۲۲ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج کر مکتبۂ رضوان سے طلب کیجئے

Marfat.com

نماز عبادت کا گوہرِ شاداب

فرضیت صلوٰۃ نماز ہر مومن، عاقل، بالغ پاک پر فرض ہے۔ بحکم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سات سال کے لڑکے لڑکی کو نماز (روزہ) کا حکم کرنا چاہیئے۔ جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں مار کر پڑھانی چاہیئے۔ اور ان کے بستر الگ کر دینے چاہئیں۔ تاکہ بالغ ہونے پر ان کو عادت ہو جائے اور وہ نماز کو ترک نہ کریں۔

الخیر عادۃ والشر عادۃ والنفس معتادۃٌ (صلوٰۃ مسعودی)	نیکی اور بدی عادت ہے اور نفس خوئے پذیر ہے۔

چوب تر کو جدھر پھیریں پھر جاتی ہے۔ اور جب خشک ہو جائے تو یہ حالت نہیں رہتی۔ نماز کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔ اسی طرح پانچ نمازوں کا ثبوت قرآن کریم کی پانچ آیات اور دس سے زائد احادیث سے ثابت۔ اور اس پر اجماع اُمت ہو چکا ہے (عزیز البرکات بحوالہ تعلیق المجلی)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا:۔

الصلوٰۃ کم۔ علی کم۔ فی کم۔ من کم

جواب دیا گیا: اثنین علی اثنین۔ فی اثنین من اثنین

یعنی نمازیں دو طرح ہیں، فرض اور واجب۔ دو پر فرض ہیں یعنی جن و انسان پر، دو ہیں یعنی شب و روز ہیں۔ دو کی طرف سے یعنی خدا اور رسول کی طرف سے۔

(بیاض جدی المکرم ادخلہ اللہ فی بحبوحۃ جنانہ)

نماز میں سات آسمان کے فرشتوں کی عبادت ہے۔ آسمان اول کے قیام میں ہیں، آسمان دوم کے رکوع میں، سوم کے سجدہ میں، چہارم کے قعدہ میں، پنجم کے تسبیح میں، چھٹے کے تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) میں، ساتویں کے تحمید (سبحان اللہ والحمد للہ) میں۔

جب مومن آدمی دو رکعت نماز انہیں مذکورہ افعال و اذکار سے ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے اعمال نامہ میں سات آسمان کے فرشتوں کی گنتی کے مطابق نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

Marfat.com

امام نجم الدین عمر نسفی رحمۃ اللہ علیہ خصائل میں فرماتے ہیں کہ زمینوں کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیئے۔ درخت اور مینار اور پہاڑ قیام میں ہیں اور چار پائے رکوع میں اور حشرات الارض زمین میں رہنے والے) سجدہ میں، اور دیواریں اور ٹیلے اور رکاہ اور ریگ وغیرہ قعدہ میں، قرآن کریم کی آیۂ کریمہ اسی اسی پر دال ہے

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ط (کنز الایمان) (صلوٰۃ مسعودی)	اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ ہاں تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ (پ ۱۵۔ ع ۵)

آب و خاک و باد و آتش بندہ اند

با من و تو مردہ با حق زندہ اند

اللہ تعالیٰ نے نماز کو احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شکل بنایا۔ الف قیام۔ حا رکوع۔ میم سجدہ دال قعدہ (دقائع الاخبار)

نماز کے برکات نبی محترم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (۱) نماز پڑھنے سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے (۲) فرشتے پیار کرتے ہیں (۳) تمام انبیا کی سنت ہے۔ نور معرفت ہے (۵) اصل (جڑ) ایمان ہے (۶) اجابت (قبولیت) دعا ہے (۷) باعث قبولیت ایمان ہے (۸) رزق میں برکت (۹) بدن میں راحت (۱۰) دشمن کے لیے اوزار (۱۱) شیطان کو ناخوش کرتی ہے (۱۲) ملک الموت کے سامنے سفارشی ہوگی (۱۳) قبر میں روشنی (۱۴) نیچے بچھونا (۱۵) منکر نکیر کے لیے جواب (۱۶) قیامت تک قبر میں مونس وغمخوار ہوگی (۱۷) روز قیامت اوپر سایہ کرے گی (۱۸) سر پر تاج ہوگی (۱۹) بدن پر لباس (۲۰) اور نور جو آگے آگے چلتا ہوگا (۲۱) نمازی اور دوزخ کے درمیان پردہ ہوگی (۲۲) خدا کے سامنے حجت (۲۳) میزان (ترازو) میں ثقل (بھاری) (۲۴) پل صراط سے گزار دے گی (۲۵) اور جنت کی کنجی ہے۔ کیونکہ اس میں تسبیح وتحمید تقدیس، تعظیم قرأت اور دعا ہے۔ لہٰذا افضل الاعمال ہے۔

(دبستان العارفین مصنفہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی متوفی ۳۷۳ھ مصری صلا)

فرائض نماز نماز کی شرائط اور ارکان جن کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی، ان کو ایک سند دہی شاعر نے ایک شعر میں جمع کر دیا۔

فرائض نہ دانی شوی در قلق

انجسں نوقِ تفقں رسق

۴۳۲۱ ۷۶۵ ۱۰۹۸ ۱۳۱۲۱۱

(۱) نمازی کے لیے لازم ہے کہ اس کا جسم ظاہری باطنی نجاست سے پاک ہو۔ ورنہ نماز درست نہ ہوگی۔ الف سے مراد اندام پاک (۲) جائے پاک، یعنی جس جگہ نماز پڑھتا ہے وہ بھی پاک ہو (۳) جامہ پاک، اس کے کپڑے بھی پاک ہوں (۴) ستر ___ مرد کے لیے ناف سے زانو تک جسم کا چھپانا فرض ہے اور عورت کے لیے سوائے دو ہاتھ (بند دست تک) اور چہرہ اور دو پاؤں کے سارے جسم کا چھپانا، کپڑا پتلا نہ ہو، تاکہ اعضاء نظر نہ آویں۔ اور ایسا چست نہ ہو کہ اعضاؤں کی ساخت معلوم ہو (۵) نیت کرنا (۶) وقت کا معلوم کرنا۔ بغیر وقت ہوئے نماز پڑھنا درست نہیں۔ کیونکہ قبل ازیں نماز فرض ہی نہیں ہوئی تو یہ کیا پڑھتا ہے۔ عموماً صبح، عصر اور عشا کے وقت سے لوگ ناواقف ہیں، قبل از وقت پڑھ لیتے ہیں (دفتر حزب الاحناف سے مؤذن الاوقات لے کر رکھیں۔ ہمیشہ اوقات نماز روزہ وغیرہ سے باخبر رکھے گا) (۷) قبلہ کی طرف یا جہت قبلہ کو منہ کرنا۔ خواہ جہاز میں ہو یا کشتی میں، یا ریل گاڑی میں، معذور و مجبور کے سوا، اگر کوئی شخص غیر قبلہ کو منہ کر کے نماز پڑھے گا، نماز درست نہ ہوگی۔ جس جگہ پتہ نہ ہو مساجد کو دیکھے کسی سے پوچھ لے۔ قطب نما صحیح سے یا ستاروں سے معلوم کرلے۔ اگر یہ نہ ہو تو سوچ سے پڑھے (۸) تکبیر تحریمہ (۹) قیام کرنا۔ بلا عذر بیماری کے یا درندے اور دشمن کے خوف سے ساقط نہیں ہوگا۔ بعض لوگ ذرا سی بیماری میں نماز بیٹھ کر پڑھتے ہیں، حالانکہ چلتے پھرتے ہیں، ان کی نماز درست نہیں، کھڑے ہونے کی طاقت ہے تو کھڑے ہو کر شروع کریں۔ پھر اگر کھڑے نہیں رہ سکتے تو بیٹھ جائیں (۱۰) قرأت۔ ایک آیت لمبی یا تین آیت چھوٹی (۱۱) رکوع کرنا کہ سر اور پیٹھ اس طرح برابر ہوں کہ اگر پشت پر پانی کا پیالہ رکھا جائے تو وہ گرے نہیں (۱۲) سجدہ کرنا۔ کہ دونوں ہاتھ کے درمیان سر اس طرح رکھے کہ اگر کان کے اوپر سے کوئی چیز گرے تو ہاتھ کی پشت پر گرے۔ کلائیاں زمین سے اٹھائے رکھے، بازو پہلوؤں سے جدا ہوں اور پیٹ رانوں سے الگ اور ساتوں اعضا زمین پر ہوں۔ خصوصاً پاؤں کو بعض لوگ سجدہ میں اٹھائے رکھتے ہیں، ان کی نماز درست نہیں اور اعضا اس طرح ہوں کہ بکری کا بچہ نیچے سے گزر سکے (۱۳) قعدہ اخیر بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں کھڑا رکھے اور ہاتھ رانوں پر رکھے، یہ احکام مرد

Marfat.com

کے لیے ہیں، عورتیں سجدہ میں سب اعضاء مذکورہ ملا کر رکھیں اور دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر رکھیں ان پر بیٹھیں۔ واجباتِ نماز اس شعر میں آگئے ہیں۔

چوں واجب نہ دانی شوی در خطر

ضمنت تقفت لفنت جسد

۱ ۲ ۳   ۴ ۵ ۶   ۷ ۸ ۹   ۱۰ ۱۱ ۱۲

واجباتِ نماز

(۱) فاتحہ پڑھنا امام اور اکیلے کے لیے۔ مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنے کی ۸۰ صحابہؓ کرام سے ممانعت مروی ہے۔ بلکہ وعید آئی ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے وہ فطرتِ اسلامی پر نہیں (طحاوی شرح معانی الآثار ص۳۵) اس کے منہ میں چنگاڑا ہو (عمدۃ القاری ص۶۷) اس کے منہ میں پتھر ہوں (موطا امام محمد ص۹۸) اس کا منہ مٹی سے بھر جائے (طحاوی وغیرہ) (۲) ضم سورہ یعنی الحمد کے ساتھ سورت ملانا (۳) تعیینِ قرأت یعنی فرضوں کی دو پہلی رکعتوں اور وتر و نفل کی سب رکعتوں میں قرأت پڑھنا (۴) تعدیلِ ارکان یعنی ہر رکن کو اپنی اپنی جگہ ادا کرنا (۵) قعدہ (۶) یعنی التحیات پہلے اور آخری قعدے میں پڑھنا (۷) لفظِ سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا (۸) دعائے قنوت وتر (۹) تکبیراتِ عیدین (۱۰) جہر سے قرأت صبح اور مغرب اور عشا جمعہ و عیدین میں (۱۱) سر یعنی آہستہ پڑھنا ظہر اور عصر میں (۱۲) رعایت ترتیب رکھنا۔ سنتِ نماز اس شعر میں ہیں۔

چو سنت بدانی شوی مقتدا

روزہ نیت، تست دوا

۱ ۲ ۳   ۴ ۵ ۶   ۷ ۸ ۹   ۱۰ ۱۱ ۱۲

(۱) رفع یدین۔ تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھانا اور کسی جگہ نہیں۔

(۲) وضع یدین۔ یعنی ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا۔ عورتوں کے لیے چھاتی پر (ابو داؤد۔ عمدۃ الرعایہ ص۱۶۵ جلد اوغیرہ) (۳) ثنا پڑھنا امام و مقتدی اور اکیلے کیلئے (۴) بسم اللہ پڑھنا الحمد سے پہلے (۵) تسبیح۔ رکوع و سجود میں تین یا پانچ یا سات مرتبہ (۶) تکبیرات یعنی رکوع جاتے اور سجدہ کرتے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا (۷) سمع اللہ لمن حمدہ امام اور اکیلے کو کہنا (۸) توقف کرنا رکوع اور سجود کے بعد یعنی قومہ جلسہ کرنا (۹) درود شریف پڑھنا (۱۰) دعا پڑھنا جو حدیث شریف سے مروی ہو اور دعا ابراہیمی رب اجعلنی

Marfat.com

مقیم الصلوٰۃ الخ پڑھنا مستحب ہے (عالمگیری) (۱۱) آمین آہستہ کہنا۔ طحاوی صہ۱۴۱، آثار سنن صہ۹۶، صہ۹۹ میں ہے کہ بسم اللہ، ثنا، اعوذ، آمین آہستہ پڑھی جاویں۔ ترمذی، ابوداؤد اور حاکم اور دارقطنی وغیرہ میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین آہستہ کہی

طریق اشاعت نماز

نماز کی اہمیت و فرضیت محتاج بیان نہیں ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ انسان انسان ہی ہے۔ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے۔ تبلیغ ہی سے اسلام چار دانگ عالم میں پھیلا تھا۔ اور تبلیغ ہی سے آج مسلمانوں کو راہ راست پر لایا جا سکتا ہے اس لیے فی زمانہ نماز اور اس کے ضروری مسائل کی تبلیغ و اشاعت بہت ضروری ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ فریضہ تبلیغ ادا کرے اور ذیل کی تجاویز کو عملی شکل دی جائے۔

۱۔ ہر محلہ میں نماز کمیٹی قائم کی جائے اور محلہ کے نیک اور با اثر اصحاب کے تعاون سے تبلیغ نماز کی مہم شروع کی جائے۔

۲۔ ہر ہفتہ ایک مجلس وعظ منعقد کی جائے۔ جس میں نماز کے متعلق وعظ ہوں اور مسائل نماز پڑھ کر سنائے جائیں۔

۳۔ بے نمازوں کو پیار و محبت سے نماز کی ترغیب دی جائے۔ اور وہ سخت سست جواب دیں تو تحمل و بردباری سے کام لیا جائے اور اپنی تبلیغ کو کسی حالت میں بھی نہ ترک جائے۔

۴۔ روزانہ صبح و شام رضا کاروں کی ایک جماعت نماز اور ذکر الہی کی طرف ترغیب دلانے والی نظمیں پڑھتے محلہ میں گشت کرے۔ ذی اثر حضرات بھی اس جلوس میں شریک ہوں۔

۵۔ اوقات نماز کے وقت محلہ کے لوگوں سے اپیل کی جائے کہ وہ مسجدوں میں آجائیں۔

۶۔ نماز کمیٹی کے لیے کسی قسم کا چندہ وغیرہ نہ رکھا جائے۔ محض خالصتہً لوجہ اللہ یہ کام سرانجام دیے جائیں۔

۷۔ پہلے اپنے محلہ کی اصلاح کر لیجئے۔ اس کے بعد دوسروں کی طرف متوجہ ہوجیے۔

Marfat.com

ذکر و فکر

نظام الدین محبوب الٰہی

(۱) حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی کا جب انتقال ہوا۔ جنازہ لے جایا جا رہا تھا، خلقت کا ہجوم بے پناہ تھا۔ جنازہ کے ہمراہ حضرت سعدی شیرازی کے یہ شعر کسی نے پڑھے ؎

سرو سیمنا بصحرا میروی   لیک بد عہدی کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہِ عالم روئے تو   تو کجا بہر تماشا میروی

کہتے ہیں کہ اس شعر پر محبوب الٰہی علیہ الرحمتہ کو وجد آ گیا۔ جنازہ کو حرکت ہوئی اور آپ نے عالم وجد میں ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ جنازہ رکھا گیا۔ ایک بزرگ آگے بڑھے۔ عرض کی محبوب الٰہی! یہ مقام وجد نہیں ہے۔

دیانت کا معیار

(۲) حکایات الصالحین میں لکھا ہے۔ ایک بزرگ کھمس بن حسین اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ناگاہ ان کا ایک دینار کہیں گم ہو گیا۔ دوستوں نے دینار کے متعلق پوچھا تو کھمس نے کہا ابھی ابھی میرے پاس تھا۔ مگر کہیں گم ہو گیا۔ ان کے دوستوں نے تلاش شروع کی، دینار مل گیا۔ اور کھمس سے کہا یہ دینار تمہارا ہی ہے۔ اس کو لے لو۔

کھمس بن حسین نے جواب دیا۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہی دینار ہے جو میرا تھا۔ ساتھیوں نے کہا کھمس قسم بخدا ہمارے پاس دینار نہ تھا۔ یہ تمہارا ہی گمشدہ دینار ہے۔ تم ہی اس کے حقدار ہو۔ کھمس نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی اور کا دینار گم ہو گیا ہو اور یہ وہی ہو۔ بہر حال یہ شک والی چیز ہے۔ اگر میں نے اس کو لے لیا تو بارگاہ خداوندی میں کیا

Marfat.com

جواب دوں گا۔

ظالم کا حشر

اس نے مکہ کا محاصرہ کیا منجنقین نصب کر کے سنگ باری شروع کر دی، حرم پاک جہاں خون خرابہ اور قتل و غارت گری کو اللہ کے مقدس رسول نے حرام قرار دیا تھا۔ حجاج بن یوسف کی بدولت تباہ کاری اور غارت گری کا مرکز بن گیا۔ جب محاصرہ تنگ سے تنگ ہوگیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو گئے اور مسلمان فوج نے خدائی قہر و عذاب سے ڈر کر کعبہ پر سنگباری سے ہاتھ کھینچ لیا تو حجاج خود آگے بڑھا اور منجنیق چلانے لگا۔ پتھروں کی آتش بازی سے خانہ کعبہ کے غلاف جھلس گئے اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے تبرکات جل گئے، سات ماہ سے کچھ زیادہ مدت، محاصرہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کعبہ کی حرمت کے پیش نظر مقابلے کے لئے باہر نکلے انہوں نے رجزیہ نعرہ بلند کیا۔

اے لوگو! مجھے پہچان لو۔ میں رسول مقبول علیہ السلام کے دست راست حضرت ابوبکر صدیق کا نواسا ان کی مقدس بیوی جناب عائشہ کا بھانجا ہوں۔ مجھے اس بات کا شرف بھی حاصل ہے کہ میں ہجرت کر کے آنے والوں میں پہلا نومولود تھا جو مہاجرین میں پیدا ہوا۔ میری والدہ اسماء نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں حق و صداقت کی راہ میں اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہ کروں۔ اس کے بعد ابن زبیر نے اتنا سخت حملہ کیا کہ حجاج کی فوج کو دور تک دھکیلتے چلے گئے کہ ناگاہ حجاج کی فوج کے کسی آدمی نے ایک بھاری پتھر ان کے منہ پر پھینکا کنپٹی اور سر سے خون کا فوارا جاری ہو گیا۔

حضرت ابن زبیر کی لاش دیکھتے ہی حجاج نے ان کا سر کٹوا کر خلیفہ عبدالملک کو روانہ کر دیا اور صلیب پر چڑھا دیا۔ تین دن گذر چکے۔ حجاج حضرت ابن زبیرؓ کی مصلوب لاش کے پاس کھڑا لطف اندوز ہو رہا تھا کہ تقریباً سو سالہ نابینا عورت ایک بینا عورت کا ہاتھ پکڑ کر وہاں پہنچیں اور ابن زبیر کی لاش پر ہاتھ رکھ کر ٹٹول کر دیکھا پتہ چلا ان

Marfat.com

کا جوڑ جوڑ الگ ہے۔ پھر نابینا عورت نے دریافت کیا
کیا یہ سوار ابھی تک اپنے گھوڑے سے نہیں اترا اس سے کہو جنگ ختم ہو گئی
اب تو نیچے آجائے۔
حجاج نے اس عجیب و غریب نابینا عورت کے بارے میں سوال کیا؟ یہ کون ہے،
بینا عورت نے جواب دیا۔ ابن زبیرؓ کی ماں اسماء رسول اللہؐ کی محبوب بیوی حضرت عائشہؓ
کی بڑی بہن اور حضرت ابوبکرؓ کی بڑی بیٹی ہیں۔
حضرت اسماء نے اپنے بیٹے کی لاش کا مطالبہ کیا۔ حجاج نے دینے سے انکار کر دیا۔
حضرت اسماء واپس چلی گئیں اس کے بعد اس نے حضرت اسماء سے کہلوایا اگر خیریت چاہتی
ہو چپ چاپ میرے پاس چلی آؤ۔ ورنہ بالوں سے گھسیٹتی لائی جاؤں گی۔
حضرت اسماء نے جواب دیا میں ہرگز نہیں جاؤں گی اس ظالم سے کہو مجھے بالوں سے
گھسیٹ کر بلوائے۔
اس پر حجاج حضرت اسماءؓ کے پاس خود پہنچا اور کہا او دشمن خدا ابن زبیرؓ کی ماں
پتا ہے میں نے دشمن خدا زبیر کے ساتھ کیا سلوک کیا۔؟
حضرت اسماءؓ کی بے نور آنکھیں آنسو سے لبریز ہو گئیں آپ نے جواب دیا۔
تو نے میرے بیٹے کی دنیا بگاڑی اور میرے بیٹے نے تیری عاقبت
خراب کر دی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ
بنی ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ظالم پیدا ہوگا۔ جھوٹے مختار بن عبید ثقفی کو
تو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے۔
حجاج حضرت اسماءؓ کی دلیری پر دم بخود رہ گیا پھر ایک عجیب و غریب خواہش کا اظہار
کیا بولا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے نکاح کر لو۔
حضرت اسماء چراغ پا ہو گئیں۔ فرمایا، او ذلیل عاقبت نااندیش کمینے ظالم ایک سولہ

Marfat.com

نابینا کو تو نکاح کا پیغام دے کر اسے ذلیل کرنے کی فکر میں ہے کیا تو اتنا نہیں جانتا کہ عزت و ذلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تیرے ذلیل کرنے سے میں ذلیل نہیں ہو جاؤں گی۔

حجاج نے خلافِ اُمید نرمی سے جواب دیا۔ انہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں البتہ میں رسول اللہؐ کی ہم زلفی اور ابوبکر صدیق کی دامادی کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پھر حجاج نے شقاوت سے ہنستے ہوئے حضرت عبداللہؓ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو سولی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دی، جہاں سے حضرت اسماء نے اٹھوائی اور اپنی نگرانی میں غسل دلوا کر تجہیز و تکفین فرمائی۔

حجاج بن یوسف اپنے آباد کردہ شہر واسط میں مقیم تھا۔ عراق کی گورنری پر فائز ہوئے اسے بیس سال گذر چکے تھے کہ یکایک مکافاتِ عمل کی تلوار میان سے باہر ہوئی حجاج کے پیٹ میں کیڑے پڑ گئے جو اسے شب و روز دردناک اذیت سے دوچار کرتے اور حجاج جیسا سنگدل اور غیر معمولی قوتِ برداشت کا انسان اس تکلیف سے چیختا چلاتا روتا تھا بالآخر اسی مرض کی اذیت سے دنیا سے کوچ کر گیا —— جب وہ مرا تو متفق الرائے اعداد و شمار کے مطابق میدانِ جنگ کے سوا حالتِ امن میں اور آبادیوں میں وہ ایک لاکھ پچیس ہزار انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکا تھا۔ واسط کے سیاسی قید خانہ میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں حجاج کے ظلم و بربریت سے سردی گرمی سے غیر محفوظ بدترین غذا اور بدبو دار پانی پر سسک سسک کر جی رہے تھے۔

تو اے لوگو! عبرت مظلوم سے نہیں ظالم سے حاصل ہوتی ہے اگر کسی پر ظلم کرکے تم نے اسے مرقع عبرت بنا دیا ہے تو دیکھنے والی آنکھیں مظلوم سے نہیں ظالم سے عبرت پکڑیں گی اور قیامت تک ظالم پر لعن طعن کا سلسلہ جاری رہے گا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

Marfat.com

مظلوم کی بددعا سے بچو۔ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

حضرت شبلی قدس سرہ العزیز نے ایک حکیم سے کہا

گناہوں کا علاج

مجھے گناہوں کا مرض ہے اگر اس کی دوا بھی آپ کے پاس ہو تو عنایت کیجئے یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سامنے میدان میں ایک شخص تنکے چننے میں مصروف تھا ؎

جو تجھ سے لو لگاتے ہیں وہ تنکے چنتے ہیں

اس نے سر اٹھایا اور شبلی کو مخاطب کر کے کہا

شبلی یہاں آؤ میں اس کی دوا بتاتا ہوں۔

حیا کے پھول، صبر و شکر کے پھل، عجز و نیاز کی جڑ، غم کی کونپل، سچائی کے درخت کے پتے، ادب کی چھال، حسن و اخلاق کے بیج یہ سب لے کر ریاضت کے ہاون دستہ میں کوٹنا شروع کرو اور اشک پشیمانی کا عرق ان میں روز ملاتے رہو۔ ان سب دواؤں کو دل کی دیگچی میں بھر کر شوق کے چولہے میں پکاؤ۔ جب پک کر تیار ہو جائے تو صفائے قلب کی صافی میں چھان لینا اور شیریں زبان کی شکر ملا کر محبت کی تیز آنچ دینا۔ جس وقت تیار ہو کر اترے تو اس کو خوف خدا کی ہوا سے ٹھنڈا کر کے استعمال کرنا"

حضرت شبلی رح نے نگاہ اٹھا کر دیکھا وہ دیوانہ غائب ہو چکا تھا۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل ۔۔۔ وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں صلوٰۃ وسلام

بدعت ہے

عرض کرنے کے لئے قیام تعظیمی کرنا۔ حضورؐ کی دنیا میں تشریف آوری کے مقدس مہینہ میں چراغاں کرنا۔ خوشی و مسرت کا اظہار کرنا بدعت ہے۔ کیوں اس لئے یہ سب کچھ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے ــــــــ لیکن دنیا کے بادشاہ کی تعظیم و توقیر کے لئے گھنٹوں کھڑے رہنا اس کی آمد پر قیام تعظیمی کرنا اس کے قدموں میں گلاب کے پھول کی پتیاں نچھاور کرنا اس کی آمد پر شہروں کو دلہن کی طرح سجا دینا۔ ہزاروں روپے

Marfat.com

خروج کر کے چراغاں کرنا۔ اس کے استقبال کے لئے وقت مقرر کرنا۔ اہتمام و تداعی کرنا، بدعت نہیں ہے کیوں اس لئے یہ سب کچھ گناہ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی

شانِ صحابہ: اس کتاب میں حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام، خلفائے ثلاثہ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر، عثمان غنی، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و مناقب دینی و ملی خدمات اور ان کے مخلص مومن مسلمان ہونے کو کتاب و سنت اور فریقین کی معتبر مذہبی و تاریخی کتب کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور اس ضمن میں صحابہ کرام پر جو الزامات قائم کیے جاتے ہیں، ان کا معقول جواب دیا گیا ہے۔ کتاب کے مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دلائل سے انکار کی گنجایش نہیں ہے۔ قیمت : -/۱۵ روپے

مسائلِ نماز: اس کتاب میں وضوء، غسل، اذان، اقامت، جمعہ اور نماز کے فرائض، واجبات، مکروہات اور اس کے نہایت ہی اہم اور ضروری احکام و مسائل کو آسان زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو عموماً اور امامانِ مساجد کو خصوصاً اس کتاب کو زیرِ مطالعہ رکھنا چاہیئے۔ اس کتاب میں نماز کے ایسے اہم اور اشد ضروری مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ قیمت : -/۶ روپے

باغِ فدک: مسئلہ فدک سے متعلق نہایت ہی مدلل کتاب۔ جس میں تمام اعتراضات و الزامات کا معقول جواب دیا گیا ہے۔ قیمت : -/۳ روپے

جواہر پارے: علامہ سید محمود احمد رضوی کے تحریر کردہ علمی، ادبی، تاریخی، دینی، مذہبی اخلاقی، روحانی، اصلاحی، فقہی اور تفسیری مضامین کا قابلِ مطالعہ ایمان افروز، باطل سوز مجموعہ۔ قیمت حصہ اوّل -/۷ روپے۔ حصہ دوم -/۷ روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور

Marfat.com

مہر ــــ کیا ایک بے معنیٰ اور فضول رسم ہے؟

مہر بے معنی اور فضول اخراجات کی دوسری رسموں کی طرح نہیں ہے یہ جہیز کی طرح بھی نہیں ہے۔ جہیز کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس کا دینا لینا جائز و مباح ہے۔ ضروری یعنی فرض و واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جہیز نہیں دیتا نہ دے۔ مہر کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ اس کی ادائیگی شوہر پر لازم و واجب ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً	جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو
(نساء پ۵)	ان کے مقرر شدہ مہر انہیں دو
وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ	اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی
نِحْلَةً (پ۴)	سے دو۔

ان آیات سے واضح ہے۔ مہر خالص عورت کا حق ہے جس کی ادائیگی بہر حال شوہر پر لازم واجب ہے۔ شریعت اسلامیہ نے مہر کو عورت کا ایک ایسا اہم حق قرار دیا ہے کہ اگر بوقتِ نکاح مہر معیّن نہ کیا گیا یا مہر کی بالکل نفی کردی تو بھی مہر کی ادائیگی شوہر پر لازم و واجب ہوگی۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ بیوی کو مہر میں سے کچھ نہ دوں گا تو وہ زانی مرے گا (طبرانی) یعنی اس کا حشر زانیوں کے ساتھ ہوگا۔ یہ وعیدِ شدید بھی مہر کی شرعی پوزیشن کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ اس لئے مہر کو محض ایک رسم یا فضول رسم سمجھنا اور کہنا قرآن و حدیث کی رد سے غلط ہے ــــ البتہ حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ بہتر مہر وہ ہے۔ جو آسان ہو (بیہقی) اس ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے کہ بہتر یہ ہے کہ مہر کی رقم

Marfat.com

ایسی مقرر کی جائے جو آسانی سے ادا ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن نے گران مہر مقرر کرنیکی ممانعت نہیں فرمائی۔ آیت اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا (نساء پ۵) سے گران مہر کے تقرر کا جواز ثابت و واضح ہے۔ حضرت امام دوم خلیفہ رسول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برسر منبر یہ فرمایا کہ عورتوں کے مہر گران نہ باندھو۔ ایک عورت نے مذکورہ بالا آیت پڑھ کر عرض کی۔ اے ابن خطاب اللہ ہمیں دیتا ہے اور تم منع کرتے ہو؟ اس پر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا۔ عمر تجھ سے ہر شخص زیادہ سمجھ دار ہے اس کے بعد فرمایا جو چاہو مہر مقرر کرو۔ یہ خلیفۂ رسول کی انصاف پسندی اور نفس کی پاکی تھی کہ آپ نے اعلان کر دیا کہ جو چاہو جتنا چاہو مقرر کرو۔ میں اپنے مشورہ کو واپس لیتا ہوں۔

تاریخ کے اس نہایت ہی صحیح واقعہ سے بھی یہ واضح ہے کہ اسلام نے گراں مہر مقرر کرنے کی ممانعت نہیں کی۔ اس لئے یہ کہنا کہ بھاری بھر کم مہر کا مطالبہ کوئی شرعی و اخلاقی جواز نہیں رکھتا۔ شریعت اسلامیہ پر افتراء محض کے مترادف ہے اور مہر کو مسرفانہ رسوم ورواج کی فہرس میں شامل سمجھنا سخت زیادتی ہے۔

مہر شرعی کی مقدار

شریعت نے کمی کی طرف مقدار مہر معین کی ہے۔ یعنی مہر دس درہم بھر چاندی سے کم نہیں ہو سکتا۔ درہم شرعی تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی ہے۔ یعنی ۲ تولے ۷ ماشہ ۴ رتی۔ خواہ اتنی مقدار میں چاندی دے دے یا اس کی مروجہ رقم۔ کیونکہ چاندی کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ غرضیکہ اس مقدار سے کم مہر نہیں ہو سکتا اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ جس قدر فریقین کے درمیان طے ہو جائے۔ شوہر پر اس کی ادائیگی لازم و واجب ہوگی۔ کیونکہ مقدار شرعی سے جس قدر بھی زیادہ معین کیا جائے جائز ہے۔

Marfat.com

مہر تین قسم کا ہے اوّل معجل :- وہ ہے کہ رخصتی سے پہلے دینا قرار پالیا ہو۔ اس کے لئے عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرلے رخصت نہ ہو اور اگر رخصت ہو گئی تو اسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مہر کا مطالبہ کرے اور اس کی وصولی تک اپنے نفس کو شوہر سے روک لے اگرچہ رخصت کو بیس برس گذر گئے ہوں۔

دوم موجل :- جس کی ادائیگی کی میعاد قرار پائی ہو کہ مثلاً دس برس بعد پانچ برس بعد یا پانچ مہینہ بعد یا پانچ دن بعد ادا کیا جائے گا۔ اس میں جب تک وہ میعاد نہ گزرے عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں ہے اور جب میعاد پوری ہو جائے تو ہر وقت مطالبہ کر سکتی ہے۔

سوم مُؤخر کہ جس کی ادائیگی کے لئے نہ پیشگی کی شرط ٹھہری ہو۔ نہ کوئی میعاد معیّن کی گئی ہو۔ یونہیں مطلق و مبہم طور پر بندھا ہو۔ یعنی اس میں معجّل۔ یا موجّل کی تصریح نہ ہو۔ یہ مہر مؤخرہ کہلاتا ہے۔ اس صورت میں جب تک، شوہر کی موت، یا طلاق واقع نہ ہو۔ عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

واضح ہو کہ مہر معجل، یا موجل کے لئے شریعت نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی۔ جتنا پیشگی دینا ٹھہرے (معجل) اسی قدر معجل ہو گا۔ باقی کی اگر میعاد قرار پائی ہے تو اتنا موجل قرار پائے گا۔ ورنہ مؤخرہ (۱) ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا اور یہ قرار پایا کہ پانچسو معجل اور پانچ سو موجل ہوں گے تو پانچسو معجل کے متعلق عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے رخصت نہ ہو اور باقی پانچسو روپے جو موجل ہیں۔ جب میعاد پوری ہو جائے گی تب عورت کو اس کے مطالبہ کا حق ہو گا۔

(۲) ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا۔ پانچ سو روپے معجل قرار پائے تو اس صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے۔ رخصت نہ ہو۔ اور باقی پانچ سو کے متعلق معجل

Marfat.com

یا موجل ہونے کی تصریح نہ ہو تو یہ مؤخر قرار پائیں گے۔ یعنی ان پانچسو روپوں کا جو کہ مؤخر قرار پائے ہیں کا مطالبہ عورت اس وقت کر سکتی ہے۔ جبکہ شوہر طلاق دے دے یا اس کی موت واقع ہو جائے

فائدہ اگر کسی قوم یا برادری کا یہ عرف ہو جائے (رواج عام) کہ معجل یا موجل کی تصریح نہ ہونے کے باوجود مہر کا کچھ حصہ پیشگی دینا ہوتا ہے تو بلا ذکر اور قرار داد صریح بھی اتنا معجل قرار پائے گا اور باقی بدستور موجل یا مؤخر رہے گا (در مختار۔ ورد المحتار)

مہر میں مال متقوم ہونا ضروری ہے جو چیز مال متقوم نہیں وہ مہر نہیں ہو سکتی۔ مثلاً مہر یہ ٹھہرا کہ شوہر عورت کی سال بھر خدمت کرے گا۔ یا اسے قرآن مجید یا علم دین پڑھا دے گا یا حج وغیرہ کرا دیگا۔ تو ان سب صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر مہر میں شراب یا خنزیر کا ذکر کیا تو بھی مہر مثل واجب ہوگا۔ (عالمگیری)

شغار کا حکم شغار یعنی ایک شخص نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح دوسرے سے کر دیا اور دوسرے نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح اس سے کر دیا۔ اور ہر ایک کا مہر دوسرے کے نکاح کو قرار دے دیا تو ایسا کرنا گناہ (منع) ہے اور اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر معاف کرنا عورت کل مہر یا اس کے جز کو معاف کرے تو معاف ہو جائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ شوہر نے اس معافی کو قبول کر لیا ہو۔ انکار نہ کیا ہو۔ (رد المحتار)

بلا تعین مہر نکاح درست ہے اگر بوقت نکاح مہر کا تعین نہ کیا۔ یا مہر کی بالکل نفی کر دی تو بھی نکاح صحیح و درست ہے۔ اس صورت میں مہر مثل دینا لازم ہوگا۔ اسی طرح بوقت نکاح مہر شرعی مقرر کیا تو بھی نکاح ہو جائے گا اور مہر مثل لازم ہوگا۔ ہاں اگر کسی قوم یا برادری میں مہر شرعی بولکر اس سے کوئی خاص

Marfat.com

مقدار مراد لی جاتی ہو جو اس قوم یا برادری میں رائج ہے تو جو ان کی اصطلاح معروف و مشہور ہو وہی لازم ہو گی مثلاً کسی قوم میں مہر شرعی کے لفظ سے ایک ہزار روپے مہر مراد لیا جاتا ہے اور یہ بات ان کا عرف بن گئی ہے تو مہر ایک ہزار لازم و واجب ہو گا۔

۳۲ روپے مہر شرعی نہیں ہے عام طور پر ۳۲ روپے یا اس سے کم و بیش کو مہر شرعی سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ شریعت نے صرف کمی کی طرف مہر کی مقدار مقرر کی ہے۔ یعنی مہر دس درہم ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم نہیں۔

البتہ اگر یہ سمجھ کر مہر باندھا کہ سب سے کم درجہ کا مہر جو شریعت میں مقرر ہے۔ تو اس صورت میں ۲ تولے سات ماشہ چار رتی چاندی یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم و واجب ہو گی ـــــ اور اگر یہ سمجھ کر باندھا کہ جو مہر جناب فاطمہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا تو اس صورت میں ڈیڑھ سو تولے چاندی یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم ہو گی اور اگر صرف یہ کہا کہ مہر شرعی مگر کوئی معنیٰ ذہن میں نہیں تھے۔ خالی ایک لفظ بول دیا تو ایسی صورت میں شوہر پر مہر مثل واجب ہو گا۔

مہر مثل کی تعریف یہ ہے کہ اس عورت کے دھدیال میں جو عورت اس کی ہم عمر اور صورت و شکل حسن و جمال اور فضل و کمال میں اس عورت کی مانند ہو اور جو اس کا مہر باندھا ہو وہ مہر مثل ہے۔

مہر زیادہ کرنا شوہر کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی کردے۔ مثلاً بوقت نکاح طرفین کی رضامندی سے پانچسو روپے مہر مقرر ہوا۔ شوہر نے پانچ سو اور زیادہ کر دیا تو اب دین مہر ایک ہزار روپے قرار پائے گا۔ مہر زیادہ کرنے کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جو زیادتی کر رہا ہے وہ معلوم معیّن ہو اور عورت اسی مجلس میں اس کو

Marfat.com

قبول کرلے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عورت نکاح میں ہو۔ (اگرچہ یہ شرط مختلف فیہ ہے۔

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ گناہ نہیں۔ کیونکہ دولت آنے جانے والی چیز ہے ایک شخص اگر آج غریب ہے تو کل امیر ہو سکتا ہے مگر حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا مناسب نہیں۔ البتہ فی زمانہ مہر ایسی معقول رقم کا ہونا چاہئے کہ شوہر پر کچھ دباؤ تو ہو۔ وہ اگر کوئی غلط اور ظالمانہ قدم اٹھائے تو اسے یہ تو محسوس ہو کہ اتنی بڑی رقم مجھے مہر کی ادا کرنا ہوگی۔

بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی

بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی حسبِ قواعد شرعیہ اس کے وارثوں کو کی جانی ضروری ہے۔ ہاں اگر بیوی کے تمام وارثاں۔ جبکہ عاقل بالغ ہوں مہر معاف کر دیں تو معاف ہو جائے گا۔ اگر تمام وارثاں عاقل بالغ ہوں کچھ معاف کرتے ہیں۔ اور کچھ نہیں کرتے۔ تو جو معاف کر دیں۔ ان کا معاف ہو جائے گا۔ جو معاف نہ کریں ان کا حصہ دینا شوہر پہ لازم رہے گا۔ اسی طرح جو وارث نابالغ ہیں۔ ان کا حصہ بھی شوہر کو ادا کرنا لازم و واجب ہوگا۔

بصیرت حصہ اوّل

علامہ سید محمود احمد رضوی مدیر رضوان کے تحریر کردہ
فقہی، تفسیری، مذہبی، اخلاقی، اصلاحی
مضامین کا ایمان افروز مجموعہ
قیمت مجلد ۱۵ روپے
سینکڑوں اہم مسائلِ شریعت و احکام اسلامیہ کا
مدلل بیان

Marfat.com

حج ــــ ایک عظیم و جلیل عبادت

حج مساواتِ اسلامی کا پیکر ہے۔ جہاں امیر و غریب، شاہ و گدا، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا ایک لباس، ایک صورت ایک ہی کیفیت سے ایک میدان میں بحضور ربّ العالمین حاضری دیتے ہیں۔ حج انسان کو اپنی ذمّہ داریوں کا احساس دلاتا ہے۔ حج دل کو تمام کدورتوں اور عداوتوں سے پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ حاجی جب بارگاہِ الٰہی میں حاضری کا قصد کرتا ہے تو سب سے بری الذمہ ہو کے جاتا ہے۔ حج کسبِ حلال کی طرف بھی آدمی کو متوجہ کرتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص مصارفِ حج میں مالِ حلال صرف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حج زندگی کی کوتاہیوں پر ندامت، گناہوں کا اعتراف اور آئندہ اطاعت کا اقرار شر سے پرہیز اور خیر کی طرف متوجہ رہنے کا عزم ہے۔ بلکہ یوں کہیئے کہ حج کے بعد حاجی نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔

حضور علیہ السّلام نے فرمایا جس نے حج کیا اس میں گناہوں سے بچا۔ تو وہ ایسا ہو کر لوٹتا ہے جیسے اس دن اس کی ماں نے اسکو جنا (بخاری)

نیز حضور نے فرمایا بدر کے دن کے سوا عرفہ کے دن سے زیادہ شیطان اور کسی دن ذلیل و رسوا اور غضب ناک نہیں ہوتا کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کی رحمت برس رہی ہے، اور گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ (موطا مالکؒ)

۲۔ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہو کر جلوہ گر ہوتا ہے اور فرشتوں سے فرماتا ہے، جو انہوں نے مانگا وہ ہم نے قبول کیا۔ (مسلم)

حج و عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے۔ سونے

Marfat.com

چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے اور جو مسلمان اس دن (عرفہ) احرام کی حالت میں گزارتا ہے اس کے گناہوں کو لے کر ڈوبتا ہے۔ (نسائی و ترمذی)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حج مبرور کی جزا جنت ہے (موطا) عورتوں کا جہاد حج ہے (احمد) حاجی اللہ کے مہمان ہیں (ابن ماجہ)

طواف کعبہ مثل نماز ہے (ترمذی)

حج گناہوں کا کفارہ ہے (بخاری)

افضل ترین عمل جہاد ہے۔ اس کے بعد حج مبرور (بخاری)

کعبہ کے پچاس طواف کرنے والا گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے۔ گویا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ (ترمذی)

حج اور عمرہ محتاجی اور گناہوں کو ایسے دور کر دیتی ہیں جیسے بھٹی لوہے چاندی، اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے۔ (ترمذی) رمضان میں عمرہ کرنا حضور کے ہمراہ حج کرنے کے برابر ہے۔ (بخاری)

حجر اسود کا بوسہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ عرفہ کے دن عام بخشش ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

جس نے بلا کسی عذرِ شرعی حج نہ کیا اور بغیر حج کیے مر گیا، تو خواہ وہ یہودی ہو کر مرے۔ یا نصرانی ہو کر (ترمذی)

اس لیے جب حج فرض ہو جائے، تو اس میں تاخیر کرنا حرام و گناہ ہے۔

حج کی فرضیت قرآن سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے

روضۂ اقدس کی زیارت واجب ہے

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت افضل الاعمال ہے اور قبولِ حج وسعادتِ دینوی کے لیے ایک عظیم وسیلہ ہے۔

Marfat.com

حضرت امام المتقین سید المحدثین امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مت کہو کہ حضور اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی۔ بلکہ یہ کہو کہ میں نے حضور کی زیارت کی ہے

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

حج تو فرض ہے ہی، مگر حضور سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت اور خاص طور پر حضور ہی کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب بلکہ قریب واجب ہے، اور حج کے موقع پر بلا عذر حضور کے دربار میں حاضری نہ دینا سخت محرومی ہے۔

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ (دارقطنی)

جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کی۔ (ابن عدی)

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (بیہقی)

جو میری زیارت کو آتے سواء میری زیارت کے کسی اور حاجت کے لیے نہ آیا، تو مجھ پر حق ہے کہ میں اس کا شفیع بنوں۔ (طبرانی)

حج بدل کے شرائط

(۱) جو حج بدل کراتا ہو اس پر حج فرض ہو۔ اگر فرض نہ تھا اور حج بدل کرایا، تو حجِ فرض ادا نہ ہوا۔

۲- جس کی طرف سے حج کیا جائے، وہ عاجز ہو، یعنی وہ خود حج نہ کر سکتا ہو۔ اگر اس قابل ہو کہ خود کر سکتا ہے، تو اس کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔

۳- وقتِ حج سے موت تک عذر برابر باقی رہے، اگر درمیان میں اس قابل ہو گیا کہ خود حج کرے، تو پہلے جو حج کیا جا چکا ہے، وہ ناکافی ہے۔

Marfat.com

۴. جس کی طرف سے حج کیا جائے۔ اس نے حکم دیا ہو۔ بغیر اس کے حکم کے نہیں ہو سکتا۔

۵. حج کے مصارف اس کے مال سے ہوں۔ جس کی طرف جس کو حکم دیا وہی کرے۔ دوسرے سے اس نے حج کرایا، تو نہ ہوگا۔ آجکل حج بدل کا رواج ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مذکورہ بالا شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

جب یہ شرائط پائی جائیں۔ تو جس کی طرف سے حج کیا گیا ہے۔ اس کا حج فرض ادا ہوگا۔ اور حج بدل کرنے والا بھی ثواب پائے گا۔ مگر اس کا اپنا حج فرض ادا نہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہے۔

ماہ محرم کے احکام و مسائل

محرم کی دس تاریخ کو مندرجہ ذیل اہم واقعات رونما ہوئے

- زمین و آسمان کی پیدائش یوم عاشورہ میں ہوئی۔
- سب سے پہلے بارش اسی دن ہوئی۔
- حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اسی دن قبول ہوئی۔
- نوح علیہ السلام کی کشتی نے اسی دن طوفان سے نجات پائی
- حضرت ادریس علیہ السلام کو مکانِ علیاء کی رفعت اسی دن حاصل ہوئی۔
- حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نارِ نمرود اسی دن گل و گلزار بنی۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت اسی دن عطا ہوئی۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لشکرِ فرعون پر اسی دن فتح یابی ہوئی اور فرعون غرقِ نیل ہوا۔

Marfat.com

• حتیٰ کہ صفحۂ قلب سے نہ مٹنے والا واقعۂ کربلا بھی اسی یوم عاشورہ میں ہوا۔

دس محرّم کا روزہ

حضور علیہ السلام نے فرمایا دس محرم کا روزہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سال گزشتہ کے گناہ معاف فرمادے (مسلم) یہ نفلی روزہ ہے رکھّو تو ثواب نہ رکھو تو گناہ نہیں۔

صدقات و خیرات

دس محرم کو صدقہ و خیرات کرنا باعث برکت ہے بخصوص حضرت امام حسین و شہدائے کربلا کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی، فاتحہ، غرباء میں کھانا وغیرہ جو میسّر ہو تقسیم کرنا۔ شربت یا پانی کی سبیل لگانا، جائز اور مباح ہے۔

حضرت امام حسین کی مجلس

یعنی کربلا کے صحیح واقعات بیان کرنے کے لیے وعظ کی مجلس قائم کرنا جائز ہے ـــــ لیکن شیعہ حضرات کی مجالس، گھوڑا اور تعزیہ میں شرکت، گھوڑے پر چڑھاوا چڑھانا۔ تعزیہ کو امام حسین کی جلوہ گاہ سمجھ کر اس پر پھول، ہار ڈالنا، اس لکڑی و پنی وغیرہ سے بنے ہوئے تعزیہ سے منت ماننا، اس کی تعظیم کرنا۔ جزع فزع واویلا کرنا۔ سینہ ماتھا کوٹنا۔ بال نوچنا منہ پر طمانچے مارنا۔ دس محرم کو خاص سوگ کے لیے کالے کپڑے پہننا۔ امام حسین کا فقیر بننا۔ گھوڑے کے نیچے سے مستورات کا گزرنا تاکہ اُولاد ہو، ناجائز و ممنوع ہے۔

دس محرّم ۶۱ھ جمعہ کا دن

محرم ۶۱ھ کی دسویں تاریخ جمعہ کا دن تھا۔ سب جاں نثار ایک ایک کر کے اسلام کی عظمت اور اسلامی اقدار کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں نثار کر چکے، مگر سیاہ دلانِ باطل کسی طرح حق قبول کرنے اور خونِ ناحق و ظلم بے نہایت سے باز رہنے پر مائل نہ ہوتے، تو شہزادۂ کونین سیّدنا امام حسین میدان میں گامزن ہوتے یعنی ؎

عشرے کی سحر حضرت کیلئے پیغامِ شہادت لاتی ہے
جتنے تھے ستارے ڈوب چکے اب چاند کی باری آتی ہے

Marfat.com

ایک نورانی جسم تھا جو شبیہہ رسول تھا۔ ایک پیشانی مصفا تھی، جو بوسہ گاہِ رسول تھی۔ ایک پیکرِ نوری تھا، جو خاتونِ جنت کا لختِ جگر اور مولائے کائنات علی مرتضٰی کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا۔ یعنی ایک طرف نور تھا حق تھا اور دوسری طرف ظلم و عدوان اور سرکشی و طغیان کا سیلاب عظیم تھا۔ امام گھوڑے پر سوار دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ یکایک باطل نے مجتمع ہو کر تیروں کی بارش شروع کر دی اور امام کی جبینِ پر ضیا گھائل ہو گئی، امام کو چکر آیا گھوڑے سے نیچے آئے اب نامرادانِ سیاہ باطن نے نیزہ پر رکھ لیا۔ نورانی پیکر خون میں نہا گیا۔ امامت کا دُرِ شہوار زمین پر جلوہ فرما ہوا۔ دس محرم جمعہ کے دن چھپن سال پانچ ماہ پانچ دن کی عمر مبارک میں امام نے رحلت فرمائی اور سرِ اقدس آپ کی والدہ ماجدہ جناب خاتونِ جنت سیّدہ عفیفہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہرا کے پہلو میں مدفون ہوا۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

سیّدنا امام حسین علیہ السّلام

حضرت امام حسین عابد و زاہد تھے۔ پورا پورا دن اور ساری ساری راتیں نماز میں گزار دیتے۔ آپ دن رات میں ہزار ہزار رکعت ادا کرتے تھے۔ ذکر و عبادتِ خداوندی کا یہ ذوق مدینہ سے کوفہ تک کے اس سفر میں بھی نہ بھولا جو سفرِ کربلا سے موسوم ہے، اور جو آپ کی عمر کا آخری سفر تھا۔ ۲ رجب کو جب مدینہ سے روانہ ہوتے تو دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ وہاں رات کا ایک حصہ دعا و مناجات میں گزرا۔ ۹ محرم ۶۱ھ کو جب آپ نے محسوس کیا کہ دشمن لڑنا ہی چاہتا ہے تو آپ نے لشکرِ اشقیاء سے ایک رات کی مہلت لے لی بس یہ رات نمازوں، دعاؤں اور مناجاتوں میں گزری جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے درمیانِ خیمہ سے روشنی پھوٹتی دیکھی۔ جھانک کر دیکھا کہ امام کے سامنے قرآن کھلا ہوا ہے۔ تلاوت فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

جنابِ امام نے حق و صداقت اور کلمۂ حق کی بلندی کے لیے اپنی جان قربان فرما دی، ہمیں چاہیئے کہ ہم امام حسین کے نقشِ قدم پر چلیں، اور ان کے اسوہ و کردار کو اپنائیں۔

Marfat.com

علمی و تحقیقی مقالہ

اَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو

وَاَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو۔ | اور اللہ تعالیٰ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو۔

بیع کے معنی اور اس کے شرائط

بیع کے معنی از روئے لغت مطلقا مبادلہ کے ہیں۔ شرا اس کی ضد ہے اور اصطلاحِ شرع میں بیع کے معنی یہ ہیں کہ دو شخصوں کا باہم مال کو مال سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنا۔

۲۔ بیع قول اور فعل دونوں سے ہو سکتی ہے۔ اگر قول سے ہو تو ایجاب و قبول اس کے ارکان ہیں۔ مثلاً ایک نے کہا میں نے بیچا دوسرے نے کہا میں نے خریدا اور اگر فعل سے ہو تو چیز لینا اور دینا اس کے ارکان ہیں اور یہ لینا اور دینا ایجاب و قبول کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر بیچے والے پکارتے ہیں۔ اس گلاس کی قیمت ایک روپیہ، ایک روپیہ خریدار آتا ہے ایک روپیہ دے دیتا ہے اور گلاس اٹھا لیتا ہے۔ طرفین باہم کوئی بات نہیں کرتے مگر دونوں کا فعل ایجاب و قبول کے قائم مقام قرار پا جاتا ہے۔ اس قسم کی بیع کو تعاطی کہتے ہیں۔

۳۔ بیع کے طرفین میں سے ایک کو بائع اور دوسرے کو مشتری کہتے ہیں۔

۴۔ ایسے دو لفظ جو تملیک و تملک کا افادہ کریں۔ یعنی جن کا یہ مطلب ہو کہ چیز کا مالک دوسرے کو کر دیا یا دوسرے کی چیز کا مالک ہو گیا۔ ان دو لفظوں کو ایجاب و

Marfat.com

قبول کہتے ہیں۔ پہلا کلام ایجاب اور اس کے مقابل میں بعد والے کلام کو قبول کہتے ہیں مثلاً بائع نے کہا میں نے یہ چیز اتنے دام میں بیچی مشتری نے کہا میں نے خریدی۔ تو بائع کا کلام ایجاب ہے اور مشتری کا قبول ہے۔

۵۔ بیع کے صحیح ہونے کے لئے چند شرائط ہیں۔

اوّل۔ بائع و مشتری کا عاقل ہونا۔ یعنی مجنوں یا بالکل ناسمجھ بچے کی بیع صحیح نہیں، دوم عاقد کا متعدد ہونا یعنی ایک ہی شخص بائع بھی ہو اور مشتری ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔ سوم ایجاب و قبول میں موافقت ہو۔ یعنی جس چیز کا ایجاب ہے اسی چیز کا قبول ہو۔ چہارم ایجاب و قبول کا ایک مجلس میں ہونا۔ پنجم: بائع و مشتری کا باہم ایک دوسرے کے کلام کو سننا۔ ششم مبیع کا موجود ہونا۔ مال متقوم ہونا مملوک ہونا۔ مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حمل کو یا تھن جو دودھ ہے۔ اس کی بیع جائز نہیں، ہو سکتا ہے کہ جانور کا پیٹ یونہی پھول گیا ہو اور اس کے پیٹ میں بچہ نہ ہو اور تھن میں دودھ نہ ہو۔ خون اور مردار کی بیع جائز نہیں کہ یہ مال نہیں۔ شراب و خنزیر کی بیع مسلمان کے حق میں جائز نہیں کہ یہ مال متقوم نہیں ہے پھل نمودار ہونے سے پہلے بیچنا صحیح نہیں۔

ہفتم:۔ بیع موقت نہ ہو۔ اگر موقت ہے (مثلاً یہ کہے یہ سائیکل میں نے ایک سال کیلئے بیچا)، تو یہ بیع صحیح نہیں۔

ہشتم:۔ مبیع و ثمن دونوں اس طرح واضح ہوں کہ نزاع پیدا نہ ہو سکے۔ اگر مجہول ہوں کہ نزاع پیدا ہو سکتا ہے تو بیع صحیح نہیں۔ مثلاً بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک بکری بغیر متعین کئے بیچی یا یہ کہنا یہ بکری واجبی دام پر بیچتا ہوں۔ یا یہ کہا۔ فلاں شخص جو دام اس کا مقرر کرے اس پر بیچتا ہوں تو یہ بیع درست نہیں کہ اس میں جھگڑا ہو سکتا ہے۔

۶۔ بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری مبیع کا مالک ہو جائے اور بائع ثمن کا۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بائع پر واجب ہے کہ بیع کو مشتری کے حوالے کر دے اور مشتری پر لازم ہے کہ بائع کو

Marfat.com

ثمن (قیمت) دیدے۔

ربٰوا کے معنیٰ

لغت میں ربا کے معنیٰ زیادتی اور بلندی کے ہیں اور اصطلاح شرح میں ربا ایسی زیادتی کو کہتے ہیں، جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے حاصل کی جائے۔ زمانہ جاہلیت میں عموماً ربا اسی کو کہتے اور سمجھتے تھے جسے آج سود کہا جاتا ہے۔ یعنی ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ زیادتی یا نفع لینا۔ عرب میں اکثر رواج یہ تھا کہ ایک معین رقم، معین مدت کے لئے معین مقدار سود پر قرض دیدی جاتی تھی۔ مقروض نے اگر میعادِ مقررہ پر رقم واپس کر دی تو مقررہ سود لے کر معاملہ ختم ہوگیا اور اگر مقروض میعاد مقرر پر رقم واپس نہ کر سکا تو آئندہ کے لئے مزید سود کا معاملہ طے کیا جاتا تھا۔

آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر جب آیاتِ ربٰوا نازل ہوئیں تو ان کو سنتے ہی ربٰوا کے متعارف معنیٰ جو جاہلیت عرب کے زمانہ میں مروج تھے۔ (یعنی قرض کی رقم پر معین نفع لینا) کو سب نے سمجھ لیا اور اس کو قطعاً حرام جان کر چھوڑ دیا —— چنانچہ ربا کی یہ تعریف ایک حدیث میں ان الفاظ سے آئی ہے۔

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبٰوا | جو قرض نفع لائے وہ ربٰوا ہے۔

اگرچہ اس حدیث کی سند پر جرح کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی اسناد کو ضعیف بتایا گیا ہے، لیکن فقہاءِ کرام اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور سراجِ منیر میں اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کسی کو اس حدیث سے استدلال کرنے میں تامل ہو تو یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ربٰوا کی جو تعریف حدیث مذکورہ میں بیان ہوئی ہے (یعنی قرض پر نفع لینا) آیاتِ ربٰوہ کے نزول سے قبل بھی تمام عرب میں مشہور و معروف تھی اور جب آیاتِ ربا نازل ہوئیں تو لوگوں نے مذکورہ بالا مفہوم کو ربا سمجھا، اور اسی کو حرام قطعی جان کر ترک کر دیا تو اگر اس حدیث سے استدلال نہ بھی کیا جائے تو بھی لغتِ عرب اور رواجِ عرب اس کے مفہوم کو متعین کرنے کے لئے کافی تھا۔

Marfat.com

لسان العرب میں ہے۔

الربا ربوانِ والحرامُ کلُ قرضٍ یُؤخذُ بہ اکثرُ منہُ اویجرُّ بہ منفعۃً (لسان العرب)	ربا کی دو قسمیں ہیں حرام ہر وہ قرض ہے۔ جس پر پرکچھ زیادہ لیا جائے یا قرض پر کوئی منفعت حاصل کی جائے۔

لغت حدیث کی نہایت مستند کتاب نہایہ ابن اثیر میں ہے۔

تکرّر ذکرُ الرّبا فی الحدیث والاصلُ فیہ الزّیادۃِ علیٰ راس المالِ مِن غیرِ عقدِ تبایع	احادیث میں بار بار ربا کا ذکر آیا ہے اور اصل اس باب میں یہ ہے کہ بغیر عقد بیع کے راس المال پر کوئی زیادتی لینا۔

علامہ ابن العربی مالکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ لفظ ربا عرب میں مشہور و معروف تھا اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ یہ آیت مجمل ہے اس نے شریعت کے قطعی مقاصد کو نہیں سمجھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ایک ایسی قوم کی طرف بھیجا جس میں وہ خود شامل تھے اور انہیں کی زبان میں بھیجا اور اپنی کتاب (قرآن) بھی ان کی زبان میں اتاری تاکہ ان کے لئے آسان ہو جائے اور ربا لغتِ عرب میں زیادتی کو کہتے ہیں اور مراد وہ زیادتی ہے جس کے

والمرادُ فی الآیۃِ کلُ زیادۃٍ لا یقابلھا عوضٌ۔ (احکام القرآن)	مقابلہ میں مالی عوض نہ ہو۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں۔

(۱) فمنَ الرّبا ماھوَ بیعٌ ومنہ مالیسَ ببیعٍ وھوَ ربا اھلِ الجاھلیۃِ والقرضُ المشروطُ فیہ الاجلُ وزیادۃُ مالٍ علی المستقرضِ۔ (احکام القرآن)	ربا کی ایک قسم وہ ہے جو بیع میں ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو بیع میں نہیں ہوتا اور یہی ربا اہل جاہلیت میں جاری تھا (اور یہ ہے) کہ قرض کسی میعاد کیلئے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا اس پر کچھ زیادتی ادا کرے۔

Marfat.com

(۲) معان احدھما الربا الذی کان علیہ اھل الجاھلیۃ والثانی التفاضل فی الجنس الواحد من المکیل والموزون

ان میں ایک کے معنی تو اسی ربا کے ہیں جس پر اہلِ جاہلیت کا تعامل تھا اور دوسرے کے معانی ناپنے یا تولنے والی ایک جنس کے تبادلہ میں تفاضل کے ہیں'

آگے فرماتے ہیں :-

(۳) وقد بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا من مراد اللہ بالآیۃ نصا وتوقیفا ومنہ ما بینہ دلیلا فلم یخل مراد اللہ من ان یکون معلوماً عند اھل العلم بالتوقیف والاستدلال - والربا الذی کانت العرب تعرفہ وتفعلہ انما کان قرض الدراھم والدنانیر الی اجل بزیادۃ علی مقدار ما استقرض علی ما یتراضون بہ ولم یکونو یعرفون البیع بالنقد واذا کان متفاضلا من جنس واحد ـــ

اس آیۃ سے اللہ تعالیٰ کی جو مراد تھی اس کو زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نص اور توقیف کے طور پر بیان فرمایا اور کچھ استدلال سے بھی واضح فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مراد دونوں طریقوں سے اہلِ علم پر واضح ہوگئی" جو ربوا اہل عرب کے ہاں معروف اور عملاً رائج تھی وہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ درہم و دینار کے معیاری قرضہ پر کچھ زیادتی جس کی شرح باہمی رضامندی سے مقرر ہوئی تھی۔ عرب اس ربائے نقد کے بیع سے واقف نہیں تھے جس میں کہ ہم جنس میں تفاضل کیا جائے۔

(۴) وقد بینا ان اسماء الشرع توقیف والثانی انہ معلوم ان ربا الجاھلیۃ انما کان قرضا موجلا بزیادۃ مشروطۃ فکانت الزیادۃ بدلا من الاجل فابطلہ اللہ تعالیٰ وحرمہ وقال (وان تبتم فلکم رؤس اموالکم) وقال تعالیٰ (وذروا ما بقی من الربا)

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسماءِ شرع توقیفی ہیں دوم یہ کہ یہ معلوم و مشہور ہیں (اور وہ اس طرح) کہ ربائے جاہلی یہ تھا کہ قرض موجل ہوتا تھا جس میں زیادتی کی شرط ہوتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو باطل قرار دیا اور حرام کیا، چنانچہ فرمایا اگر تم باز آجاؤ تو تمہارے لئے راس المال ہے) اور آگے فرمایا (چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہو سود میں سے)

Marfat.com

حظر ان یوخذ للاجل عوض فاذا کانت علیه الف درهم موجلة فوضع عنه علی ان یعجله ۵ ـ لو کان علیه الف درهم حالة فقال له اجلنی وازیدک فیها مائة درهم لا یجوز لان المائة عوض من الاجل

مدت کے بدلے میں معاوضہ لینے سے منع کیا۔ اگر کسی پر ہزار درہم ہوتے ایک مقرر وقت تک تو جلدی ادائیگی کی صورت میں کچھ کم کر دیئے جاتے۔ اگر اس وقت اس کے اوپر ہزار درہم ہوتے تو کہتا کہ مدت بڑھانے میں سو درہم بڑھا دوں گا۔ تو یہ جائز نہیں ہے کہ یہ سو درہم معاوضہ میں مدت کا۔

الغرض قرآن مجید نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کا مشہور و متعارف مفہوم قرض دے کر اس پر نفع لینا ہے۔ رباء کے اس مفہوم میں نہ کوئی الجھاؤ ہے اور نہ ابہام۔ زمانہ نبوی سے لے کر آج تک تمام صحابہ کرام و آئمہ دین اس کے حرام قطعی ہونے پر متفق ہیں۔

ربوا کی تشریح کے متعلق حضرت فاروق اعظم کا بیان

حضرت فاروق اعظم ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سود کے متعلق ہے اور حضور نے

اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ علیه وسلم قُبِضَ وَلَمْ یفسرِهَا لَنَا فدعوا ـ الربوا والرِیبه ـ ابن ماجه و دارمی

اس کی پوری تشریح بیان نہیں فرمائی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ لہٰذا سود بھی چھوڑ دو۔ اور ان کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو۔

دوسری روایت کا مضمون یہ ہے جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ تین مسائل ایسے ہیں کہ مجھے یہ تمنا رہ گئی کہ کاش حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق ہم پر مزید تشریح و توضیح فرما دیتے۔ دو مسئلے تو میراث کے ہیں (یعنی دادا اور کلالہ کی میراث) اور ربوا کے بعض ابواب و اقسام کی تشریح (تفسیر ابن کثیر)

Marfat.com

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذکورہ بالا ارشاد دراصل ربا کی قسم دوم ہی کے متعلق ہے۔ جن کا بیان حدیث نبوی میں آیا ہے۔ اسی قسم دوم کی تشریحات کے متعلق جناب فاروق اعظم نے تشنگی کا اظہار فرمایا۔ یعنی یہ حکم ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چھ چیزیں بطور مثال کے بیان ہوئی ہیں اور دوسری اشیاء اسی حکم میں داخل ہیں اور اگر دوسری اشیاء بھی اسی میں داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے۔؟

یہ ہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کا ضابطہ مقرر کیا۔ اور دوسری اشیاء کو بھی اسی ضابطہ کے ماتحت اس حکم میں داخل قرار دیا۔

رباء کی قسم اوّل جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ حضرت فاروق اعظم کا مذکورہ بالا بیان اس کے متعلق ہرگز نہیں ہے کیونکہ قرض پر نفع لینا تو ربوا کا ایسا مفہوم ہے، جو آیت ربوا کے نزول سے قبل ہی مشہور و معلوم تھا۔ اور قرآن نے اس کو حرام قطعی قرار دیا۔ پس قسم اوّل کے ربوا کا حرام قطعی ہونا قرآن مجید و حدیث رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

سودی لین دین مفلسی و ناداری کی وجہ سے ہو یا تجارت کی غرض سے بہر حال حرام و ناجائز و ممنوع ہے

واضح ہو کہ قرآن نے مطلقاً سود کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی قرض پر نفع لینا خواہ کسی بھی وجہ سے ہو بہر حال حرام ہے۔ سودی لین دین اپنی کسی مصیبت مفلسی و ناداری کی بنا پہ کیا جائے۔ یا سرمایہ دار متمول تاجر اپنی تجارت کے لئے سودی معاملہ کرے۔ آیت حرم الربٰوا کے عموم و اطلاق کی بنا پر حرام قطعی ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ غریب مصیبت زدہ شخص کو قرض دے کر اس پر سود لینا حرام ہے۔ لیکن سرمایہ دار متمول تاجر کو قرض دے کر سود لینا جائز ہے۔ ایسا خیال قرآن مجید کی کھلی ہوئی تحریف ہے۔ قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی تقریباً آٹھ آیات سے اور

Marfat.com

متعدد احادیث میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے مگر ان آیات واحادیث میں مذکورہ بالا خیال کا اشارہ تک نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ربا کے معاملہ میں اس فرق کو بیان نہیں فرمایا اور مطلقاً ربا کو حرام قرار دیا ہے تو ایسی صورت میں کسی کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مطلق حکم کو بلا دلیل شرعی اپنی رائے سے مقید کر دے۔ اس لئے حق یہ ہے کہ غریب و مصیبت زدہ کو قرض دیکر اس پر نفع لیا جائے یا سرمایہ دار متمول شخص اپنی تجارتی ضرورت کی بنا پر قرض لے اور اس پر نفع لیا جائے۔ آیت حرم الربوا کے عموم واطلاق کی بنا پر حرام قطعی ہے۔

چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے اور آیاتِ ربا کے شان نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آیاتِ ربا کے نزول سے پہلے عرب اور بالخصوص قریش کے تجارت پیشہ تجارتی اغراض کے لئے قرض لیتے تھے اور اس پر سود دیتے تھے۔ (عینی)

عرب کے لوگ قرض پر نفع لینے کو خواہ وہ کسی بھی وجہ سے ہو بیع کی طرح حلال سمجھتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اس قول کی تردید فرمائی اور واضح لفظوں میں یہ فیصلہ فرما دیا۔ بیع و ربوا کو یکساں سمجھنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔

ربا کی دوسری قسم

ربا کی ایک قسم، یعنی قرض پر نفع لینا۔ خواہ کسی بھی وجہ اور غرض سے ہو۔ کو آیت حرم الربوا نے حرام و ممنوع قرار دیا۔ اور حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ شارع بھی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تشریعی اختیارات بھی دیئے ہیں۔ تو حضور نے اپنے اس منصب خاص کی بنیاد پر بیع و شراء کی خاص صورتوں کو ربوا قرار دے کر حرام فرما دیا آپ نے فرمایا۔

سونا چاندی، گندم، جو، کھجور، نمک کا لین دین برابر سرابر ہونا چاہیئے۔ ان چھ چیزوں کے باہمی تبادلہ و بیع میں۔

کمی بیشی کرنا ربوا ہے اور ادھار کا معاملہ کرنا اگرچہ برابر سرابر ہو، یہ بھی

Marfat.com

ربوا ہے۔ (بخاری)

چونکہ ربا کی یہ قسم پہلے سے عرب میں رائج و مشہور نہ تھی اور عام لوگ قرض پر نفع لینے ہی کو ربوا سمجھتے تھے۔ اس لئے بعض وہ لوگ جنہیں اس حدیث کا علم نہ ہوا۔ اس قسم کے ربوا کی حرمت کے قائل نہ تھے۔ حتی کہ امام فقہہ و تفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے عظیم و جلیل صحابی بھی اس قسم کے ربوا کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ (مسلم) لیکن جب حضرت ابو سعید صحابی نے حضرت ابن عباس کو مذکورہ بالا حدیث سنائی تو انہوں نے اپنے سابقہ فتویٰ و عمل سے رجوع کیا اور اپنی غلطی پر استغفار فرمایا۔

پس سود کی ایک قسم تو وہ ہے۔ جسے آیت حرام الربوا نے حرام قطعی قرار دیا۔ اور سود کی دوسری قسم وہ ہے جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تشریعی اختیارات کی بنا پر حرام قرار دیا یعنی بیع و شراء کی وہ مخصوص صورتیں جن کا بیان احادیث صحیحہ میں آیا ہے اور جن کی توضیح و تشریح آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی (انشاء اللہ)

حضور علیہ السلام کا تشریعی منصب

واضح ہو۔ حضور علیہ السلام قرآن کے شارح بھی ہیں، سورہ نحل کی آیت لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ میں حضور کے اسی منصب کا ذکر ہے کہ قرآن کے شارح ہونے کی حیثیت سے حضور قرآن کے اجمال کی توضیح۔ اس کے جزئیات کی تعیین، اور اس کے ابہام کی تبیین فرماتے ہیں۔

اور حضور شارع بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تشریعی اختیارات بھی دیئے ہیں۔ شارع ہونے کی حیثیت سے حضور کسی چیز کو حرام یا حلال فرماتے ہیں گو اس کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہو۔

سورہ اعراف کی آیت يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ سے واضح ہے کہ حضور کو تشریعی

Marfat.com

اختیارات عطا ہوئے ہیں یعنی حلال وحرام و امر ونہی صرف وہی نہیں ہے۔ جو قرآن میں بیان ہوا ہے. بلکہ جو کچھ حضور نے حرام یا حلال قرار دیا ہے یا جس چیز کا حضور نے حکم دیا یا جس چیز سے منع فرمایا وہ بھی اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ہے اور وہ بھی قانون خداوندی کا ایک حصہ ہے اور یہ ہی بات سورہ حشر کی آیت مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ سے ثابت ہے اس آیت میں امر ونہی اور تحلیل وتحریم کو حضور کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا مثلاً سورہ نساء میں قرآن نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اب دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام قطعی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے اپنے تشریعی اختیارات کی بنیاد پر پھوپھی بھتیجی، خالہ بھانجی کو بھی جمع کرنا حرام قرار دیا ہے۔ تو اسی طرح آیت حرم الربوا نے قرض پر سود لینے کو حرام قطعی قرار دیا اور حضور علیہ السلام نے اپنے تشریعی منصب کی بنیاد پر ربا کی دوسری قسم بیان فرمائی اور آپ نے بیع وشراء کی چند مخصوص صورتوں کو ناجائز وممنوع قرار دیا اور جن چیزوں کو حضور نے حلال یا حرام قرار دیا ہے۔ وہ بھی قانونِ خداوندی کا ایک حصہ ہے۔

ربوا کی قسمیں

فقہاء کرام ربوا کی قسم اول جس کی حرمت قرآن مجید سے غیر مبہم طریقہ سے ثابت ہے یعنی قرض پر نفع لینا۔ اس کو ربا القرآن ربا النسیہ اور ربا الجاہلیہ سے موسوم کرتے ہیں اور ربا کی دوسری قسم جو قرآن کے الفاظ سے نہیں سمجھی جاتی بلکہ بیانِ رسول (حدیث) سے معلوم ہوئی ہے اس کو ربا الحدیث، ربا النقد، ربا البیع ربا الفضل سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی ربا کی وہ صورتیں جو حضور علیہ السلام نے بیان فرمائیں، واضح رہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

سونا سونے کے بدلے چاندی چاندی کے بدلے گندم گندم کے بدلے جو جو کے بدلے کھجور کھجور کے بدلے نمک نمک کے بدلے میں اگر لیا دیا جائے تو ان کا لین دین برابر سرابر دست بدست ہونا چاہیئے ——— اس میں کمی بیشی (یا ادھار) ربوا کے حکم میں

Marfat.com

ہے (بخاری) تو یہ چھ چیزیں جن میں کمی بیشی ادھار کو حضور نے رلوا قرار دیا ہے، اس کے رلوا ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چھ متجانس چیزوں میں کمی بیشی اور ادھار کا معاملہ کرنا۔ تمام صحابہ کرام آئمہ دین و آئمہ اربعہ کے نزدیک ربا ہے اور حرام ہے واضح رہے کہ فقہاء اسلام میں سے ربائے نسیئہ (سودی قرض) کے حرام قطعی ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی نزاع ہے یہ بات قرآن و سنت و اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآن مجید نے بڑی سختی کے ساتھ اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس سے زیادہ تنبیہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ سود خواروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور اپنے رسول سے برسر جنگ قرار دیا ہے۔ "فَاْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ غور کیجیے اس انسان ضعیف البنیان کا کیا حشر ہوگا۔ جو ایک زبردست طاقت والے اللہ رب العلمین سے برسر پیکار ہو۔ بلاشبہ ایسا شخص خود کو ہلاکت و بربادی میں ڈال رہا ہے۔

البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں جن چھ چیزوں میں کمی بیشی و ادھار کو ربوا قرار دے کر حرام قرار دیا گیا ہے تو یہ حکم ان چھ چیزوں ہی کیساتھ خاص ہے ہے؟ یا دوسری اجناس بھی اس میں داخل ہیں اگر داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے واضح طور پر خاص اس امر میں ضابطہ کلی بیان نہیں فرمایا اور حضرت عمر نے بھی اسی خاص امر کے متعلق یہ فرمایا۔

کہ حضور نے اس کے متعلق پوری تشریح نہیں فرمائی۔

یہ ہی وجہ ہے کہ فقہاء امت و ائمہ مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے ضابطہ مقرر کیا اور حق یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس معاملہ میں توضیح و تشریح نہ فرمانا بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق تھا۔ مرضی الٰہی یہ ہی تھی۔ کہ خاص معاملہ مجمل و مبہم ہی رہے اور آئمہ مجتہدین۔ اپنے اجتہاد سے اس کو طے کریں اور اس طرح امت محمدیہ کے مجتہدین۔ صواب کی صورت میں دو اجر اور خطا کی صورت میں ایک اجر کے مستحق ہو جائیں۔

Marfat.com

شرح سود کچھ بھی ہو بہر حال حرام ہے

یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ	اے ایمان والو سود دونا - دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو -

زمانۂ جاہلیت میں - سودخواری کا عام طریقہ یہ تھا کہ ایک خاص میعاد معین کے لئے ادھار پر سود کا معاملہ ہوتا اور جب وہ میعاد سر پر آجاتی اور قرضدار اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوتا تو اس کو مزید مہلت اس شرط پر دی جاتی کہ شرح سود بڑھا دی جاتی - اس طرح دوسری میعاد پر بھی ادائیگی نہ ہوتی تو مزید مہلت کے لئے سود کی مقدار اور زیادہ کردی جاتی - اور ایسا بار بار کیا جاتا جیسا کہ آج کل بھی سود خور کرتے ہیں اور اسے سود در سود کہتے ہیں - آیت مذکورہ میں جاہلیت عرب کے اس ظالمانہ طریقہ کی مذمت کی گئی اور اس کو ممنوع و حرام قرار دیا گیا - لہٰذا آیت کے یہ معنی کرنا کہ سود اضعاف و مضاعفت نہ ہو تو حرام نہیں ؟ قرآن مجید کی تحریف معنوی ہے کیونکہ حرمتِ سود کی آیت حرم الربوا میں سود کو واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے[۱] خواہ وہ اضعاف مضاعف ہو یا نہ ہو اور اس کی مثال ایسے ہی ہے - جیسے قرآن مجید میں فرمایا -

لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا	میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت مت لو -

تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور اس کے احکامات میں تغیر و تبدل بہت زیادہ قیمت کے عوض کرنا جائز ہے (معاذ اللہ) تو ایسے ہی اس آیت میں اضعافا مضاعفا کے الفاظ عرب جاہلیت کے سود در سود لینے کے طریقہ پر نکیر کرنے اور اسے

---

[۱]: چنانچہ علماء ظواہر کا خیال یہ ہی ہے یہ حکم صرف ان اشیاء کے اندر منحصر ہے جو حدیث میں مذکور ہوئیں - منہ

Marfat.com

انتہائی درجہ کا ظالمانہ فعل قرار دینے کے لئے ہے یہ الفاظ سود کی حرمت کے لئے شرط یا قید ہرگز نہیں ہیں ——— اس لئے شرح سود خواہ کچھ بھی ہو سودی لین دین بہر حال حرام و ناجائز ہی ہے۔

سابقہ سود کا مطالبہ بھی حرام ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔

یہ آیت ان اصحاب کے حق میں نازل ہوئی جو سود کی حرمت نازل ہونے سے قبل سودی لین دین کرتے تھے اور ان کی گراں قدر سودی رقمیں دوسروں کے ذمہ باقی تھیں۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ سود کی حرمت نازل ہو جانے کے بعد سابق کا مطالبہ بھی واجب الترک ہے اور پہلا مقرر کیا ہوا سود بھی اب لینا جائز نہیں ہے اس کے بعد اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت و شدید وعید سنائی گئی کہ اگر تم نے سود نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ یہ وعید شدید ایسی ہے کہ کفر کے سوا کسی بڑے سے بڑے جرم پر ایسی وعید کتاب و سنت میں نہیں ہے جس سے سود خوری کے گناہ کی شدت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (البقرہ)	اگر تم توبہ کرو۔ تو۔ اپنا اصل مال لے لو۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ، نہ تمہیں نقصان ہو۔

یعنی سود کی رقم خواہ کتنی ہی ہو جائے اور وہ اضعافاً مضاعفۃً کی شکل ہی کیوں نہ اختیار کر جائے صرف (راس المال) اصل رقم ہی کے لینے کے حق دار ہوں گے اور اصل رقم پر سود کا لینا بہر حال حرام و گناہ قرار پائے گا۔

Marfat.com

شانِ نزول

آئمہ تفسیر نے وذروا ما بقی من الربوا کا شانِ نزول یہ بیان فرمایا ہے۔
قبیلہ بنو ثقیف کے خاندان - بنی عمرو بن عمیر اور قبیلہ بنی مخزوم سے
ایک خاندان بنو مغیرہ کے درمیان مدت سے جاہلیت کے سود کا لین دین چلا آتا تھا ان میں سے
بنو مغیرہ مسلمان ہو گئے اور ۹ھ میں قبیلہ ثقیف جو طائف کے رہنے والے ہیں۔ ان کا
ایک وفد عمرو بن عمیر کی قیادت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (مدینہ
منورہ میں) حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)

مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں نے آئندہ کے لیے سودی کاروبار سے توبہ کر لی
لیکن پچھلے معاملات کے سلسلہ میں بنو ثقیف کی ایک بڑی سودی رقم بنو مغیرہ کے ذمہ واجب الاداء
تھی۔ جب انہوں نے اس کا مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے جواب دیا مسلمان ہونے کے بعد اب
ہم سود ادا نہیں کریں گے۔ کیونکہ جیسے سود کا لینا حرام ہے۔ اسی طرح اس کا دینا بھی حرام
ہے۔ اسی طرح اس کا دینا بھی حرام ہے۔ اس جھگڑے کا مقدمہ حضرتِ عتاب بن اسید
کی عدالت میں مکہ میں پیش ہوا۔

حضرت عتاب یا حضرت معاذ نے بحضور نبوی اس معاملہ کے متعلق عریضہ پیش کیا کہ اس
مقدمہ کا کیا فیصلہ کیا جائے۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں جب یہ عریضہ پہنچا تو سورہ بقرہ
کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا	اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود

اس آیت میں واضح طور پر حکم دیا گیا کہ حرمت سود کی آیا یت کے نزول کے بعد جس کسی
کے بھی ذمہ سود کی رقم واجب الاداء ہے۔ اب اس کا لینا اور دینا جائز نہیں ہے ـــ حضور
علیہ السلام نے حضرتِ عتاب بن اسید کو یہی جواب بھجوا دیا۔ چنانچہ آیت قرآنی سنکر
بنو ثقیف و بنو مغیرہ نے بالاتفاق توبہ کی اور یہ عہد کیا کہ اب ہم سود کی رقم کا مطالبہ نہیں کریں گے

Marfat.com

سود کے متعلق حضورؐ کا ایک اہم خطبہ

چنانچہ سنہ ۱۰ھ حجتہ الوداع کے موقع پر بمقام منیٰ حضور علیہ السلام نے اپنے مقدس خطبہ میں اعلان فرمایا۔

خوب سمجھ لو جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئیں اور زمانہ جاہلیت کے باہمی قتل وخون کے انتقام آئندہ کے لئے ختم کر دیئے گئے اور سب سے پہلا انتقام میں ساقط کرتا ہوں۔ ربیعہ بن حارث کا ۔ جو قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کے لئے دیئے گئے اور ان کو ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔ (اسی طرح)

وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ۔ مسلم۔ بروایت جابر فی حجۃ الوداع	زمانۂ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو میں ساقط کرتا ہوں۔ وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے وہ سب کا سب ختم کر دیا گیا۔

حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ عظیم وجلیل خطبہ اسلام میں دستور واصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور نے (زمانہ جاہلیت) کے قتل وخون کے انتقام ساقط کر دیئے اسی طرح گذشتہ زمانہ کے سود کو بھی ختم کر دیا اور اس کی ابتداء سب سے پہلے اپنے خاندان سے فرمائی۔

(۱) حضرت عباس اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شرکت میں کاروبار تھا۔ اور ان کا طائف کے بنی ثقیف کے ساتھ لین دین تھا۔ حضرت عباس کی ایک بھاری رقم بحساب سود۔ بنی ثقیف کے ذمہ واجب الاداء تھی۔ جب حضرت عباس نے بنی ثقیف سے اپنی سودی رقم کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت عباس کو اپنی سودی رقم کے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔[۱]

۱؎ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر فرمایا تھا اور حضرت معاذ ابن جبل کو ان کے ساتھ تعلیم قرآن وسنت کے لئے مقرر فرمایا تھا۔

۲؎ عینی شرح بخاری ج ۱۱ ص ۲۰۰ روح المعانی تفسیر بحر محیط۔ تفسیر ابن جریر تفسیر ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ۔

Marfat.com

سودی لین دین گناہ عظیم ہے

سودی کاروبار کرنے والوں کے متعلق۔ حدیث میں سخت و شدید وعید آئی ہے۔ ذیل میں چند احادیث نبویہ پیش کی جاتی ہیں۔ اللہ سے ڈرنے والوں اور آخرت پر پختہ عقیدہ رکھنے والوں کے لئے تو یہ ہی چند احادیث کافی ہیں۔

(۱) الرِبَا اثنان و ستون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل امه
مسلم اذ ابا بیہقی - ابن ماجہ و ابن جریر

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کا (گناہ) باسٹھ ۶۲ حصے ہے ان میں سب سے کم درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔

۲۔ حضور سید المرسلین خاتم النبین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سود لینے والے اور سود دینے والے سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی (بخاری)

مَلْعُونُونَ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (ترمذی)

۳۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ سود کا ایک درہم جس کو جان کر کوئی کھائے۔ وہ چھتیس مرتبہ زنا سے بھی سخت ہے۔

دِرْهَمُ رِبَا یَاکُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ یَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتٍّ وَثَلَاثِیْنَ زِنْیَةٍ (احمد)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج ساتویں آسمان پر پہنچکر جب میں نے اوپر نظر اٹھائی۔ تو چمک کڑک اور گرج دیکھی۔ پھر مرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا۔

فَاَتَیْتُ عَلٰی قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ کَالْبُیُوْتِ فِیْهَا الْحَیَّاتُ تُرٰی مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ قُلْتُ یَا جِبْرَائِیْلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ هٰؤُلَاءِ اٰکِلَةُ الرِّبٰوا

جن کے پیٹ کمروں کی طرح (بڑے بڑے) تھے۔ ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ میں نے جبرئیل سے فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے جواب دیا یہ سود خوار ہیں۔

نیز حضور نے فرمایا کہ میں نے سود خوار کو خون کی نہر میں دیکھا۔ جب وہ اس نہر سے نکلنا چاہتا تو کنارے پر کھڑا ایک شخص اس کے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارتا کہ وہ پھر اس خون کی نہر میں جا گرتا۔ میں نے پوچھا کہ خون کی نہر میں کون تھا؟ کہا۔ اٰکِلُ الرِّبٰوا سود خور (بخاری)

Marfat.com

فرعون و کلیم

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا
گروں کا سہارا عصائے محمدؐ

سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بعد سیدنا یعقوب علیہ السلام تک ان کی اولاد کنعان میں مقیم رہی۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام مصر چلے گئے اور مملکتِ مصر کے تاجدار بنے۔ ادھر ملک میں قحط پڑا اور یعقوب علیہ السلام مع اپنی اولاد کے مصر چلے گئے اور یہاں ان کی اولاد اسرائیل کے نام سے خوب پھلی پھولی۔ حتیٰ کہ فرعونِ مصر اور اس کے ساتھی بھی دنیا سے اُٹھ گئے اور مصر میں بدنظمی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

فرعون ولید ابن مصعب جو آئندہ جا کر فرعونِ مصر کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصفہان کا ایک غریب عطار تھا۔ جب اس پر قرض کی زیادتی ہوتی، تو اصفہان چھوڑ کر شام میں آگیا۔ جب وہاں سے بھی اسے کوئی ذریعہ معاش نظر نہ آیا۔ تو پھر وہ مصر پہنچ گیا۔ یہاں اس نے دیکھا۔ شہر کی بہ نسبت گاؤں میں تربوز بہت سستے ہیں۔ اگر خرید کر شہر میں فروخت کیے جائیں تو کافی نفع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے تربوز خریدے اور شہر کی طرف روانہ ہوا، مگر ہوا یہ کہ راہ میں اسے کئی جگہ محصول دینا پڑا، اور شہر پہنچنے پر صرف ایک تربوز اس کے پاس باقی رہ گیا۔ آدمی چونکہ سمجھدار تھا۔ اپنے ساتھ اس سلوک سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہاں کا شاہی انتظام انتہائی خراب ہے۔ بادشاہ عیش و عشرت میں مصروف ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو چاہتا ہے حاکم بن جاتا ہے اور عوام پر حکومت کرتا ہے۔ فرعون جب شہر کی طرف روانہ ہوا، تو اتفاق سے شہر میں باقی

Marfat.com

مرض کی وجہ سے اموات ہو رہی تھیں۔ یہ قبرستان میں بیٹھ گیا اور کہا میں شاہی افسر ہوں۔ مُردوں پر ٹیکس ہے۔ فی مردہ مجھے پانچ درہم دو اور دفن کرو۔ اس کی یہ چالاکی چل گئی اور چند دنوں میں اس کے پاس بہت سامال جمع ہو گیا۔ اتفاقاً ایک روز شہر کا کوئی بڑا آدمی مرا۔ جب وہ دفن کے لیے لایا گیا، تو فرعون نے اس کے ورثہ سے بھی ٹیکس طلب کیا۔ انہوں نے اس کو گرفتار کر کے بادشاہ مصر کے حضور پیش کر دادیا۔ بادشاہ نے اس سے استفسار کیا کہ تجھے قبرستان کا افسر کس نے بنایا؟

فرعون نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور نہایت متانت سے بادشاہ مصر سے کہا:

"میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ آپ کی مجلس میں پہنچنے کا مجھے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اس لیے میں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ آخر لوگ تنگ آ کر کبھی تو مجھے دربار میں پیش کر دیں گے۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کے ملک میں سخت بدنظمی ہے، اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ میں نے تین مہینے کے عرصے میں ظلماً اتنا کمایا ہے، آپ خیال کر سکتے ہیں کہ آپ کے حکام کیا کچھ نہ کرتے ہوں گے۔ یہ کہہ کر سارا مال بادشاہ کے حضور پیش کر دیا اور کہا کہ اگر آپ انتظام میرے سپرد کر دیں، تو میں ملک کی بدنظمی دور کر دوں گا۔ بادشاہ کو یہ بات پسند آ گئی اور اس نے فرعون کو ایک معمولی عہدہ دے دیا۔ مگر فرعون نے انتہائی تدبر اور سلیقہ سے اپنے فرائض ادا کیے حتیٰ کہ بادشاہ اور رعایا دونوں میں مقبول ہو گیا اور رفتہ رفتہ ترقی حاصل کرتا ہوا وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اتفاق سے مصر کا بادشاہ مر گیا، عوام چونکہ اس کے انتظام سے خوش تھے، رعایا نے ولید فرعون کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔

(تفسیر روح البیان)

خدائی کا دعویٰ

حکومت و اقتدار اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، مگر یہ راس اس کو آتی ہے جو تختِ حکومت پر بیٹھ کر اللہ رب العالمین کو نہ بھولے اور انعاماتِ الٰہیہ کا شکر گزار رہے۔ فرعون جو ایک مفلس اور جاہل شخص تھا، دولت و حکومت کے نشے میں ایسا مدہوش ہوا کہ اپنی حقیقت کو فراموش کر بیٹھا اور تکبر و غرور کا پتلا بن گیا۔

Marfat.com

ایک اعلان کے ذریعے حکم جاری کیا کہ سب مجھے سجدہ کریں۔ درباریوں نے سنہری و روپہری مصلحتوں کی بنا پر سجدے کرنے شروع کر دیے۔ حتیٰ کہ اہلِ مصر خدائے واحد قہار کی پرستش کی بجائے فرعون کو پوجنے لگے۔ تفسیر عزیزی میں رقم ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون کی عبادت سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر فرعون نے اپنی خدائی منوانے کے لیے بنی اسرائیل پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ زیتون اور گندھک کا تیل کھولا کر اس میں بنی اسرائیل کو جھونک دیا۔ مگر بنی اسرائیل نے ان مصائب کو برداشت کیا۔ اور اللہ کی عبادت سے منہ نہ موڑا۔ آخر ہامان نے مشورہ دیا کہ ان کو جلانے کے بجائے غلام بنا لیا جائے۔ اور انہیں انتہائی ذلت و نامرادی کے ساتھ زندہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ فرعون نے اسرائیلیوں پر سختیاں شروع کر دیں۔ جس کا بیان قرآن مجید میں آتی ہے۔

خواب

اسی زمانہ میں فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی ہے جس نے تمام قبطیوں (فرعونیوں) کو جلا کر راکھ کر دیا ہے، مگر اسرائیلی اس آگ سے محفوظ رہے ہیں۔ تعبیر پوچھی تو معبروں نے بتایا کہ اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جو تیری حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ فرعون نے فوراً حکم دیا اور ایک ہزار سپاہیوں اور ایک ہزار دائیوں کو اس امر کے لیے مقرر کیا کہ جس گھر میں لڑکا پیدا ہو۔ اس کو فوراً قتل کر دے۔ کہتے ہیں چند سال میں بارہ ہزار یا ستر ہزار بچے قتل ہوتے اور نوے ہزار حمل گرائے گئے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اسرائیل کی نسل ختم ہونے لگی۔ اور ان کے بوڑھے بھی مرنے لگے۔ تب قبطیوں نے فرعون سے کہا۔ اگر یہی حال رہا، تو پھر اسرائیل ختم ہو جائیں گے۔

فرعون و کلیم

اور ایسی صورت میں خدمت کے لیے غلام کہاں سے ملیں گے۔ اس پر فرعون نے حکم دیا۔ ایک سال کے لیے بچے قتل کیے جائیں۔ اور ایک سال چھوڑے جائیں۔ اللہ کی شان، کہ چھوڑنے کے سال میں حضرت ہارون برادر موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اور قتل کے سال میں موسیٰ علیہ السلام تولد ہوتے۔

Marfat.com

پیدائش کلیم

سیدنا موسیٰ کی والدہ کا نام عائذ ہے اور عائذ حاملہ ہیں۔ فرعون نے اپنی ایک دائی ان کے گھر مقرر کر دی ہے۔ وہ منتظر ہیں کہ کب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں۔ اور انہیں موت کی آغوش میں دے دیا جائے۔ عائذ دردِ زہ میں مبتلا ہیں۔ ولادت کا وقت قریب ہے۔ گھر کے باہر فرعون کے سپاہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔

دائی: واللہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ مجھے تو بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ خدا کے لیے اس کو بچاؤ۔ للہ بچاؤ۔

عائذ: بہن شور مت کرو، باہر فرعونی کھڑے ہیں۔ کہیں سن نہ لیں۔

دائی: آہ کیسا پیارا بچہ ہے اور آنکھیں تو دیکھو کتنی خوبصورت ہیں۔ اچھا لو میں ایک تدبیر کرتی ہوں۔ اس بکری کے بچے کو ذبح کر دو۔ اور ہانڈی میں ڈال دو۔ بکری کا بچہ ذبح کر دیا گیا۔

سپاہیوں کے قدموں کی آہٹ، ایک آواز "لڑکی ہے یا لڑکا؟"

دائی: (سپاہیوں سے) مجھتی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ مگر میں نے اسے ذبح کر دیا ہے۔ یہ دیکھ لو ہانڈی میں ہے۔

ایک سپاہی: مگر تم کہاں جا رہی ہو۔ ہمیں دکھاؤ تو سہی۔

دوسرا سپاہی: ہاں ہاں دیکھنا تو چاہیئے، ہے کیا؟

تیسرا سپاہی: چھوڑو بھی یار نیند آ رہی ہے۔ چلو چلیں۔ بچے کو مار ہی دیا ہے۔

سپاہی چلے گئے۔ قدرت نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے اور آپ اپنے گھر میں ہی پرورش پاتے رہے۔

ادھر نجومیوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ بنی اسرائیل کا وہ بچہ جس کے لیے تو نے ہزاروں بچوں کو قتل کرا دیا ہے۔ پیدا ہو چکا ہے اور صحیح وسلامت موجود ہے۔

فرعون: یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ میرے سپاہی ہر گھر کی نگرانی کرتے ہیں۔

نجومی: ربِ اعلیٰ۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر ہمارا علم بتا رہا ہے کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اپنے

Marfat.com

والدین کے گھر ہی پرورش پا رہا ہے۔

فرعون: غصہ سے ہاتھ مسلتے ہوئے۔ اچھا۔ کوتوال! کوتوال!! کوتوال!!!

کوتوال: جی ربّ حضور۔

فرعون: معلوم ہوتا ہے تم نے اپنے فرائض میں کوتاہی کی ہے۔ نجومی کہتے ہیں، وہ بچہ زندہ ہے، اور پیدا ہو چکا ہے۔

کوتوال: ربّ اعلیٰ میں نے کوتاہی نہیں کی۔ میں نے تو بعض اوقات لڑکیوں کو لڑکے کے شبہ میں احتیاطاً مروا دیا ہے۔ ربّ اعلیٰ میں بے قصور ہوں۔

فرعون: بکواس مت کرو۔ یہ تمہاری سازش معلوم ہوتی ہے اور تم میری سلطنت کے تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔

کوتوال: حضور۔ ربّ اعلیٰ۔ نہیں نہیں مجھے معاف کر دیجئے میں بے قصور ہوں بے قصور۔ سپاہیوں سے غلطی نہیں ہوتی ہوگی۔ ربّ اعلیٰ میں نے غلطی نہیں کی۔

فرعون: کل عمران کے گھر جو بچہ پیدا ہوا تھا۔ اس کا کیا بنا؟

کوتوال: ربّ اعلیٰ وہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

فرعون: بکواس کرتے ہو، وہ زندہ ہے۔ آخر اس کو کیوں زندہ چھوڑا گیا؟

کوتوال: حضور میرے سپاہیوں نے کہا ہے کہ اس کو مار دیا گیا ہے۔

فرعون: سپاہیوں کو بلاؤ۔

کوتوال: (سپاہیوں سے) دیکھو سچ سچ بتا دو۔ ورنہ جان کی خیر نہیں ہے۔ ربّ اعلیٰ کے قہر سے بچنا چاہتے ہو، تو حقیقت حال بتاؤ۔

ایک سپاہی: ربّ اعلیٰ عمران کے لڑکے کے متعلق دائی نے یہ کہا تھا کہ اس کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس نے ایک ہانڈی بھی دکھائی تھی۔ جس میں بچہ تھا۔

دوسرا سپاہی: ربّ اعلیٰ میں نے یہ کہا تھا کہ اس ہانڈی کو دیکھ لو۔ مگر میرے یہ ساتھی میری بات

Marfat.com

کو نہ مانے۔

کوتوال: مردود تم نے دیکھا کیوں نہیں؟

سپاہی: حضور ہم سے غلطی ہوگئی۔

فرعون: (جھنجھلا کر) ان سپاہیوں کو تختۂ دار پر چڑھا دو اور تم فوراً ابھی جاؤ۔ عمران کے گھر کا محاصرہ کرو۔ خبردار ایک چڑیا بھی باہر نہ نکلنے پائے۔ اور بچے کا میرے حضور پیش کرو۔ اب کی مرتبہ لاپرواہی نہ ہو۔ ورنہ سر قلم کرادوں گا۔

عمران کے گھر کا محاصرہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر میں ہیں۔ ان کی بہن انہیں گود میں لیے ہوتے ہے کہ اچانک گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔

مریم: مریم خدا خیر کرے امّی یہ آواز کیسی ہے؟

عائذ: گھبراؤ نہیں اللہ بہتر ہی کرے گا۔

مریم: امّی! وہ دیکھو سپاہی آرہے ہیں۔ امّی آگئے۔ وہ آگئے۔

عائذ: اب کیا ہوگا؟

مریم: لیجئے وہ گھر میں گھس آئے۔ میرے اللہ کیا کروں۔ (حضرت مریم آپ کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیتی ہیں)

سپاہی: بتاؤ وہ بچہ کہاں ہے۔ جلدی بتاؤ ورنہ تمہارے گھر کو آگ لگادی جائے گی۔

مریم: تلاشی لے لیجئے ہمارے گھر کوئی بچہ نہیں ہے!

(سپاہی تلاشی لیتے ہیں کچھ نہ پاکر واپس ہوجاتے ہیں)

عائذ: بیٹی مریم موسیٰ کہاں ہے؟

مریم: میں نے تو انہیں تنور میں ڈال دیا تھا۔

عائذ: اُف تو نے یہ کیا کیا؟

مریم: امّی اگر وہ موسیٰ کو دیکھ پاتے، تو ہم سب کو قتل کر دیتے۔ آخر میں کیا کرتی؟

Marfat.com

عائذ: اچھا دیکھو تو تنور سے شعلے نکل رہے ہیں ؟

مریم: تنور سے شعلے نکل رہے ہیں ۔ مگر امی موسیٰ زندہ ہیں !

عائذ: اللہ کا شکر ہے جو آگ میں بھی موسیٰ کی حفاظت فرما رہا ہے۔ مگر بیٹی اب اس فرزند کی زندگی مشکل نظر آتی ہے۔

مریم: امی پھر کیا کیا جائے۔ کہاں جائیں اور کس طرح موسیٰ کی پرورش کریں ؟

عائذ: مجھے ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے موسیٰ کو کسی کشتی میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دیا جائے۔ شاید انہیں کوئی دوسرا شخص اٹھائے اور وہاں ان کی پرورش ہو جائے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مریم: مگر یہ کیسے اور کیونکر ہو ؟

عائذ: بیٹی مریم، موسیٰ کی پرورش کا یہی طریقہ نظر آتا ہے۔ ہر وقت دل ہاتھوں میں رہتا ہے۔ مجھے تو یہی تدبیر سمجھ میں آتی ہے۔ ایک صندوقچہ میں موسیٰ کو رکھ کر دریائے نیل کے سپرد کر دیا جائے۔ ممکن ہے کوئی انہیں اٹھالے اور ان کی پرورش ہو جائے۔

مریم: ہاں یہ بات ہی تو ہے۔ آخر اس طرح کب تک ہم ان کی پرورش کریں گے ؟

عمران: مگر صندوقچہ کس سے بنوایا جائے۔ اور اس کام کو کس طرح انجام دیا جائے۔

عائذ: ہمارے محلے کے بڑھئی سے صندوقچہ بنوایا جا سکتا ہے۔ ذرا مریم سانوم کو بلا لاؤ۔

(سانوم بڑھئی آتا ہے)

عائذ: دیکھو سانوم تم ہمارے پڑوسی ہو، ہمیں ایک صندوقچہ بنا دو۔ مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

سانوم: سانوم بہت اچھا۔ آخر مجھے بھی آپ سے تعلق ہے۔ میں کل ہی صندوقچہ بنا کر آپ کے پاس لے آؤں گا۔

اعلان: سانوم صندوقچہ تیار کر چکا ہے۔ ادھر فرعون کے سپاہی اعلان کر رہے ہیں۔ جو شخص بھی بنی اسرائیل کے اس بچہ کی ہمیں اطلاع دے گا۔ جو فرعون کو مطلوب ہے۔ اسے انعام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ سانوم نے اعلان سنا اور فرعون کو اطلاع دینے کے لیے گھر سے باہر

Marfat.com

نکلا۔ ایک قدم ہی باہر رکھا تھا کہ زمین میں ٹخنوں تک دھنس گیا۔

غیبی آواز: خبردار سانوم اگر ایک قدم باہر رکھا یا یہ راز ظاہر کیا۔ تو زمین میں دھنسا دیے جاؤ گے"۔

سانوم: رحم رحم۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ یہ راز کسی کو نہ بتاؤں گا۔ سانوم صندوقچہ لے کر عائذ کے گھر پہنچا اور کہا لیجئے صندوقچہ تیار ہے۔

عائذ: اس صندوقچہ کی بنوائی کیا ہے؟

سانوم: مگر مجھے ذرا اس مقدّس بچے کی زیارت تو کروا دیجئے۔ جس کا اتنا بڑا رتبہ ہے۔

مریم: لو دیکھ لو تم سے کیا چھپاؤ ہے۔

سانوم: قربان جاؤں۔ چاند کا ٹکڑا ہے۔ کتنا خوبصورت ہے۔ (سانوم حضرت موسیٰ کو پیار کرتا ہے قدموں کو بوسہ دیتا ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔ "امنتُ بربِّ موسیٰ")

* * *

روانگی: حضرت عائذ نے صندوقچہ کا جائزہ لیا۔ نرم و گرم بستر بچھایا۔ پھر اپنے فرزند دلبند کو نہلا کر خوشبو لگائی۔ عمدہ کپڑے پہنائے۔ سینہ سے لگایا اور صندوقچہ میں بند کر کے دریائے نیل کے سپرد کر دیا۔

صندوقچہ روانہ ہوا۔ ماں کا کلیجہ منظرِ جدائی کی تاب نہ لا سکا۔ چوٹ لگی۔ فرزند کی جدائی نے تڑپا دیا کہ یکایک آوازِ غیبی نے انہیں مطمئن کر دیا۔

"یہ بچہ آخر تمہیں ہی ملے گا"۔

اسی دریا سے ایک نہر فرعون کے محل کو جاتی تھی۔ جس کا نام عین الشمس تھا۔ اللہ کی قدرت یہ صندوقچہ اسی نہر کے ذریعے فرعون کے باغ میں پہنچ گیا۔

فرعون مصروفِ سیر ہے اس کے مصاحب اور حضرت آسیہ اس کے ساتھ ہیں کہ یکایک ایک صندوق نہر میں تیرتا ہوا نظر آیا۔

ربِّ اعلیٰ۔ ایک لکڑی کا صندوق نہر میں نمودار ہوا ہے۔

Marfat.com

فرعون: (حیران ہوکر) صندوقچہ۔صندوق۔یہ کیسے؟

آسیہ: ذرا اس صندوق کو تو لاؤ۔دیکھیں کیا ہے۔

"مصاحب صندوق لے آئے۔کھولا گیا۔ایک حسین وجمیل بچہ نمودار ہوا۔"

فرعون: یہ وہی بچہ ہے جس کی نجومیوں نے اطلاع دی تھی۔یہ خود ہی میرے پاس چلا آیا ہے اس کو فوراً قتل کردو۔

آسیہ: نہیں یہ تو بہت حسین ہے۔گلاب کا پھول ہے۔دیکھو تو کتنا خوبصورت ہے۔آپ کو وہم ہوگیا ہے۔یہ وہ بچہ نہیں ہے۔

فرعون: نہیں! ہاں! ہاں! ہوں! یہ بچہ.......ہاں خوبصورت تو بہت ہے مگر۔

آسیہ: آپ نے لاکھوں بچے قتل کروا دیے ہیں۔وہ کہاں بچ سکتا ہے۔یہ بچہ بنی اسرائیل کا معلوم نہیں ہوتا۔میرے اولاد بھی تو نہیں ہے۔

اللہ نے میری گود بھر دی۔میں اسی کو اپنا بیٹا بناؤں گی۔

فرعون: اچھا کوئی حرج تو نہیں ہے۔مگر میں کہتا ہوں کہ یہ بچہ......

آسیہ: (بات کاٹ کر) آپ یقین رکھیے یہ بچہ وہ نہیں ہے۔بڑا ہوگا، تو آپ کا نام روشن کرے گا۔تخت سنبھالے گا۔آخر آپ کو ولی عہد کی ضرورت بھی تو ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

اللہ کی شان

فرعون کے گھر میں حضرت موسیٰ کی پرورش شروع ہوئی۔حضرت آسیہ نے بہت سی دائیاں آپ کی پرورش کے لیے مقرر کیں۔مگر آپ نے کسی کا دودھ نہ پیا۔آخر مریم حضرت موسیٰ کی بہن جو حضرت آسیہ کے پاس موجود تھیں۔آپ کی تجویز سے حضرت موسیٰ کی والدہ کو دایہ مقرر کیا گیا اور اس طرح ماں کو اپنا بیٹا مل گیا۔دو سال تک والدہ نے آپ کی پرورش کی۔پھر حضرت آسیہ نے فرائض تربیت انجام دیے اور فرعون کو بھی آپ سے محبت ہوگئی۔ایک دن فرعون آپ کو گود میں کھلا رہا تھا، کہ آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کے ایک طمانچہ مار دیا۔فرعون غصہ سے بھر کر بولا۔میں کہتا نہ تھا یہ وہی بچہ

Marfat.com

ہے۔ جس نے میری بے عزّتی کرنی ہے۔

حضرت آسیہ نے فرمایا بچّے ناسمجھ ہوتے ہیں۔ ان کے فعل کا کیا اعتبار۔ یہ تو آگ میں بھی ہاتھ ڈال دے گا۔ فرعون کو شک ہو گیا، کہنے لگا۔ امتحان تو کرو۔

ایک طشت میں سونا اور دوسرے میں آگ کا انگارا رکھا گیا۔ قریب تھا کہ حضرت موسیٰ سونے کی طرف ہاتھ بڑھائیں کہ جبرائیل نے آگ کی طرف ہاتھ کر دیا۔ آپ نے آگ کا انگارا اٹھالیا اور منہ میں رکھ لیا۔ جس سے آپ کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی

الغرض: جب آپ کی عمر ۲۳ سال کی ہوئی، تو آپ نے سردارانِ بنی اسرائیل کو جمع کر کے کہا۔ تم فرعون کی مصیبت میں مبتلا ہو۔ یہ تمہارے گناہوں کی شامت ہے۔ نذر مان لو کہ اگر اللہ نے تمہیں اس سے نجات دی تو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے۔ انہوں نے نذر مان لی۔

قصّہ مختصر: اسی زمانہ میں حضرت موسیٰ کے ایک مُکّہ سے اتفاقی طور پر ایک قبطی ہلاک ہو گیا اور قبطیوں کے سردار نے فرعون سے مطالبہ کر دیا کہ وہ موسیٰ سے قصاص دلوائے۔

ابھی یہ مطالبہ جاری ہی تھا کہ حزقیل نامی ایک شخص نے جو حضرت موسیٰ پر در پردہ ایمان لا چکا تھا۔ یہ مشورہ دیا کہ بہتر ہے کہ آپ یہاں سے کہیں چلے جائیں۔ آپ کے قتل کے منصوبے ہو رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مشورہ کے مطابق مصر سے مدین روانہ ہو گئے اور وہاں آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر مقیم ہوئے۔ انکی صاحبزادی حضرت صفورا سے آپ کا نکاح ہوا۔ (تفسیر عزیزی)

دس سال تک آپ مدین میں مقیم رہے۔ پھر چالیس سال تک آپ فرعون کا مقابلہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ فرعون غرق ہوا۔ قرآن مجید میں فرمایا:

واذ فرقنا بکم البحر فانجینکم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون	اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑ دیا، تو تمہیں بچا لیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔

یہ بنی اسرائیل پر دوسری نعمت کا بیان ہے جو ان پر فرمائی گئی۔ دریا ان کے لیے سڑک بن گیا۔

Marfat.com

اور فرعون کو مع اس کی قوم کے ان کے سامنے غرق کر دیا گیا۔ یہ ایسے تاریخی واقعات تھے، جن سے بنی اسرائیل واقف تھے۔ اس لیے مجمل طور پر ان کو یہ نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں۔ فرقنا کے معنی فصلنا کے ہیں یعنی دریا میں فاصلہ ہو گیا اور جانے کیلئے راستہ بن گیا۔ آلِ فرعون سے "فرعون" مع اپنی قوم کے مراد ہے۔ جیسے آیہ کرمنا بنی آدم میں حضرت آدم اور ان کی اولاد دونوں داخل ہیں (جمل)

غرق فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام شب کو بحکم الٰہی بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر روانہ ہوئے صبح کو فرعون انکی تلاش میں لشکرِ گراں لے کر چلا۔ اور انہیں دریا کے کنارے جالیا۔ بنی اسرائیل نے لشکرِ فرعون کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ نے بحکمِ الٰہی دریا میں اپنا عصا مارا۔ اس کی برکت سے عین وسطِ دریا میں بارہ خشک رستے پیدا ہو گئے۔ پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا اور ان آبی دیواروں میں جالی کی طرح روشندان بن گئے۔ بنی اسرائیل کی ہر جماعت ان رستوں میں ایک دوسرے کو دیکھتی اور باہم باتیں کرتے گزر گئی۔ فرعون بھی دریائی راستوں کو دیکھ کر ان میں چل پڑا۔ جب اس کا تمام لشکر دریا کے اندر آ گیا۔ تو دریا اپنی اصلی حالت پر آیا اور تمام فرعونی اس میں غرق ہو گئے۔ اس دریا کا عرض چار فرسنگ تھا۔ یہ واقعہ بحرِ قلزم کا ہے، جو بحرِ فارس کے کنارے پر واقع ہے یا بحرِ ماوراء مصر کا واقع ہے۔ جس کو اساف کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل لبِ دریا فرعونیوں کی غرقابی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ یہ غرق محرم کی دسویں تاریخ کو ہوا۔

شکریہ کا روزہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی غرقابی اور اپنی قوم کی نجات کی خوشی میں اس دن روزہ رکھا۔ یہ روزہ اللہ کے شکر ادا کرنے کے لیے تھا۔ حضور نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہود اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ حضور نے بھی اس دن کا روزہ رکھا اور فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی فتح کی خوشی منانے اور اسکی شکر گزاری کرنیکے لیے ہم یہود سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس آیت سے ذیل کے مسائل معلوم ہوتے (۱) عاشورہ کا روزہ سُنّت ہے (۲) جس دن انبیا پر انعامِ الٰہی ہوا اس کا شکر بجالانا اور اس دن کی یادگار قائم کرنا مسنون ہے (۳) ایسے امور میں دن معین کرنا سُنّتِ رسول ہے۔ (۴) یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیا کی یادگار اگر کفار بھی قائم کرتے ہوں تو مسلمانوں کو اس وجہ سے اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔

Marfat.com

صدقات وخیرات
کے آداب احکام و مسائل

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ

اے ایمان والو اپنی پاک کمائی سے کچھ راہِ خدا میں دو!

حضرت سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ صدقہ وخیرات پاک وعمدہ مال سے دیا جائے حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اے اللہ کے نبی اگر کسی کے پاس مال نہ ہو (تو وہ کیا کرے) آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے محنت کر کے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ صحابہ نے کہا اگر یہ بھی نہ ہو سکے، آپ نے فرمایا کسی مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کرے۔ صحابہ نے کہا اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپ نے فرمایا۔ اچھی باتوں پر عمل کرے اور بری باتوں سے اجتناب کرے۔ اس کے لئے یہی صدقہ ہے۔ (بخاری)

ریاء ونمود صدقہ

قرآن مجید میں فرمایا گیا:۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی (الخ) اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کرو، احسان رکھ کر اور ایذا دے کر۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ جو لوگ ریا ونمود کے لئے صدقہ وخیرات کرتے ہیں کہ سخی کہلائیں اور لوگ ان کی تعریف کریں تو ایسی خیرات بے کار ہے۔ اس نیت سے خیرات کرنے کی مثال یہ ہے کہ جیسے پتھر پر دانہ بویا اور زور کی بارش ہوگئی تو دانہ بہ جاتا ہے اور پتھر صاف ہو جاتا ہے اسی طرح ریا ونمود کی خیرات ضائع ہو جاتی ہے۔ یوں ہی کسی

Marfat.com

غریب و مسکین کی امداد و اعانت کرکے اس کو جتلانا اور بار بار سنا کر اس کو شرمندہ کرنا بھی ثواب کو ضائع کرنا ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ اس آیت میں اللہ عزوجل اس شخص کو (جو کہ احسان جتا کر ثوابِ صدقہ کو باطل کر دیتا ہے، اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو ریا و نمود کے لئے صدقہ کرتا ہے اور مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے۔ لہٰذا ریاکار یقیناً اس سے بدتر قرار پائے گا۔

۳۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ۝ — اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا دینا ہو اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور حلیم ہے

اس آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر سائل کو کچھ نہ دیا جائے تو اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنی چاہیئے اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہیئے اور اگر وہ سوال میں اصرار کرے یا زبان درازی کرے تو درگزر کرنا چاہیئے اور اچھی بات کہنا اور درگزر کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے۔ جس کا احسان جتایا جائے اور بار بار سنا کر اس کو شرمندہ کیا جائے۔

۴۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ (قرآن) — اللہ تعالیٰ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔

یہ آیت سورہ بقرہ پ ۳ رکوع ۳۸ کی ہے۔ "سود کو ہلاک کرتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ سود کو برکت سے محروم کرتا ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سودی مال سے نہ صدقہ قبول کرے نہ حج نہ جہاد نہ صلہ اور "صدقہ کو بڑھاتا ہے" کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس میں برکت عطا فرماتا ہے۔ دنیا و آخرت میں ان کا اجر و ثواب بڑھاتا ہے، لہٰذا صدقہ و خیرات حلال و پاکیزہ کمائی سے ادا کرنا چاہیئے تاکہ وہ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت پائے۔

Marfat.com

راہ خدا میں دے کر احسان جتانا مذموم ہے

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى (الاٰیۃ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر وہ خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ جس کو دیا اس کو ستاتے ہیں (آخر آیت تک)

اس آیت سے واضح ہوا کہ کسی غریب و نادار کی امداد و اعانت کر کے اس کو جتانا یا نیک کام کر کے اپنی ناموری کے لئے اس کی تشہیر کرنا مذموم ہے۔ مسلم شریف میں ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے آدمیوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا۔ اوّل وہ کہ جو دے کر احسان جتلائے۔ دوم جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔ سوم از راہ تکبر ٹخنے سے نیچے ازار رکھنے والا۔

مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پاکیزہ کمائی میں سے کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے اور اللہ بجز پاکیزہ صدقہ کے اور کچھ قبول نہیں کرتا تو یقیناً اللہ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر صدقہ دینے والے کے فائدہ کے لئے اس کو پالتا رہتا ہے۔ جیسے تم میں سے کوئی اپنا بچھڑا پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ صدقہ (کھجور) پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

اس حدیث میں پاکیزہ کمائی سے صدقہ کو گھوڑے کے بچہ کے ساتھ تشبیہ دینے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ جو خیرات پاکیزہ کمائی سے کی جائے وہ بحضور رب العالمین شرف قبولیت پاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرماتا ہے اور خیرات کرنے والے کے خلوص کے مطابق ثواب میں اضافہ در اضافہ فرماتا رہتا ہے۔

Marfat.com

امورِ خیر کی انجام دہی میں تاخیر نہ کی جائے

امورِ خیر کی انجام دہی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ جس نیک کام کے کرنے کا ارادہ کر لیا گیا ہے اس کو بہت جلد عملی جامہ پہنا دینا چاہیئے۔ کیا خبر کل کیا صورت پیش آئے اور کیا خبر کہ ایسا زمانہ بھی آجائے کہ صدقہ و خیرات کا قبول کرنے والا کوئی نہ رہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

تَصَدَّقُوْا فَاِنَّہٗ یَاْتِیْ عَلَیْکُمْ زَمَانٌ یَمْشِیْ الرَّجُلُ بِصَدَقَتِہٖ فَلَا یَجِدُ مَنْ یَقْبَلُھَا یَقُوْلُ الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِھَا بِالْاَمْسِ لَقَبِلْتُھَا فَاَمَّا الْیَوْمَ فَلَا حَاجَۃَ لِیْ فِیْھَا (بخاری)

صدقہ کرو کیونکہ تم پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اپنا صدقہ لے کر چلے گا اور کوئی ایسا شخص نہ ملے گا جو اس صدقہ کو قبول کرے جس کو دینے لگے گا وہ کہے گا اگر یہ صدقہ کل لے آتا تو میں قبول کر لیتا، لیکن آج کے دن مجھے اس کی ضرورت نہیں (بخاری)

حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ حضور کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے۔ ایک نے تو اپنی غربت کا شکوہ کیا اور دوسرے نے راستے کی بدامنی کی شکایت کی۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا۔ راستہ کی بدامنی تو تھوڑی مدت کے لئے ہے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ تک قافلہ جائے گا۔ اور کوئی ضمانت کے طور پر ساتھ نہ ہوگا۔ رہی غربت تو قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی کہ تم میں سے کوئی اپنا صدقہ لئے پھرے گا۔ اور کوئی اس کو قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

پھر قیامت کے دن تم میں سے کوئی اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا۔ اس میں اور اللہ کے درمیان میں کوئی پردہ نہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان ہوگا جو اس کی ترجمانی کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو مال نہیں دیا تھا؟ وہ کہے گا ہاں اے اللہ دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے رسول نہیں بھیجے تھے؟ وہ کہے گا ہاں یا اللہ بھیجے تھے۔ پھر اپنی داہنی جانب دیکھے گا تو بجز آگ کے کچھ نہ دیکھے گا پھر بائیں جانب دیکھے گا تو بجز آگ

Marfat.com

کے کچھ نہ دیکھے گا پھر بائیں جانب دیکھے گا تو سوائے آگ کے کچھ نظر نہ آئے گا۔

فَلْيَتَّقِيَنَّ أَحَدُكُمُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ (بخاری)

تم میں سے ہر ایک کو دوزخ سے بچنا چاہیے اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی۔ اگر کھجور بھی نہ ہو تو پاکیزہ بات ہی کہہ دے۔

وَيُرَى الرَّجُلُ الْوَاحِدُ يَتْبَعُهُ أَرْبَعُونَ امْرَأَةً يَلُذْنَ بِهِ مِنْ قِلَّةِ الرِّجَالِ وَكَثْرَةِ النِّسَاءِ (بخاری)

اور اس زمانہ میں ایک آدمی دیکھا جائے گا جس کی پناہ میں چالیس عورتیں ہوں گی۔ مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت کی وجہ سے۔

۱۔ ان احادیث میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی ہے کہ اس وقت کو غنیمت سمجھو اور جتنی ہو سکے خیرات کر لو ورنہ ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ کوئی صدقہ قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ اور ایسا ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ جب مال و دولت کی فراوانی ہو جائے گی۔ جنہیں اللہ نے مال دیا ہے تو ان کو چاہیئے کہ وہ ہر سال زکوۃ باقاعدہ ادا کرتے رہیں اور جن کا ان پر حق ہے اس کو بھی پورا کریں۔ ورنہ یہی مال و دولت قیامت کے دن وبالِ جان بن جائے گا۔ ولو بشق تمرۃ کا مطلب یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ کھجور کا نصف حصہ بھی اگر صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی قبول فرما لیتا ہے اور اگر کوئی اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو کلمہ طیبہ اچھی بات ہی کہہ دے۔ یعنی غریب و مسکین کو نرمی سے جواب دے دے کہ بھائی معاف کرو۔ میرے پاس تو اس وقت کچھ ہے نہیں تو محتاج کو نرمی سے جواب دینا جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (یا ذٰن) یعنی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ ایک مرد کے انتظام میں چالیس عورتیں ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ چالیس عورتوں کے نان نفقہ کا انتظام ایک مرد کو کرنا پڑے گا۔ اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی،

Marfat.com

نصف کھجور کا حصہ ہی صدقہ دو

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو تھوڑا سمجھ کر ثواب صدقہ سے محروم نہیں رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ جیسے کثیر کو قبول فرماتا ہے اسی طرح قلیل کو بھی قبول فرماتا ہے۔ بشرطیکہ اخلاص ہو، ریا و نمود سے پاک ہو۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صدقہ و خیرات کی ترغیب و تلقین پاکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنی وسعت و ہمت کے مطابق خیرات کرتے تھے۔ بعض صحابہ امیر تھے وہ بڑی بڑی رقمیں راہ خدا میں خرچ کرتے تاکہ صدقے کے ثواب سے محروم نہ رہ جائیں۔ لیکن جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آٹھ ہزار درہم چالیس اوقیہ سونا صدقہ کیا تو منافق ان کو ریاکار کہنے لگے۔ ابوعقیل انصاری اور ابوخثیمہ غریب آدمی تھے۔ دل میں شوق پیدا ہوا کہ ہم بھی صدقہ کریں تو کنوئیں سے پانی نکال کر بطور مزدوری دو صاع کھجور یا جو لائے۔ ایک صاع تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا اور ایک صاع راہ خدا میں دے دیا۔ منافقین نے ان کو از راہ مذاق کہا کہ یہ بھی انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہتے ہیں۔ ان کے ایک صاع کی اللہ کو کیا ضرورت ہے اس پر سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ	جو لوگ خوشی سے صدقہ دینے والوں پر
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ	اعتراض کرتے ہیں اور ان غریب مسلمانوں
وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَ	پر جن کو محنت کی کمائی کے سوا زیادہ
هُمْ (الخ)	مقدور نہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ و خیرات سے بے نیاز ہے اس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے مگر وہ تو دل کی نیت اور اس کے خلوص کو دیکھتا ہے۔ ایک صاع کھجور تو بہت ہے۔ اگر کوئی خلوص کے ساتھ ایک کھجور یا اس کا نصف حصہ بھی راہ خدا میں دے تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اس کو بھی قبول فرماتا ہے۔ حضور علیہ نے ارشاد فرمایا :- اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ (بخاری)۔ جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا نصف حصہ ہی صدقہ دے کر ـــــ اِتَّقُوا النَّار کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے اگر اہل حقوق کا کسی پر کھجور کا ایک ٹکڑا بھی آتا ہے تو اس کو بھی ادا کر کے جہنم سے بچاؤ کی فکر کرو۔ کیونکہ اس قلیل سے حق کے باقی رہ جانے سے بھی جہنم واجب ہوسکتی ہے۔ (۲) اس حدیث سے معلوم ہو کہ اگر کسی کا ایک پیسہ بھی کسی پر آتا ہے تو اس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو ادا کرنا واجب ہے تاکہ آخرت میں بازپرس نہ ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ وہ مانگ رہی تھی۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا ایک کھجور تھی، وہ میں نے اس کو دے دی۔ اس نے اس کھجور کے دو حصے کر کے دونوں بیٹیوں کو دے دیئے اور خود نہ کھائی۔ پھر چلی گئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے میں نے اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا :-

مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ کُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ (بخاری)	تم میں سے جو کوئی بیٹیوں کی وجہ سے کسی آفت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اس کیلئے دوزخ سے بچاؤ کا سبب ہوں گی،

صدقہ قلیل بھی اگر خلوص کے ساتھ کیا جائے تو وہ بھی بارگاہ خداوندی میں قبول ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس وقت ایک کھجور تھی، جو انہوں نے ایک بھکاری عورت کو دے دی۔ تاکہ وہ مایوس نہ لوٹے اور حضور نے ان کے اس صدقہ پر اعتراض نہیں فرمایا۔ حدیث کے جملے مَنِ ابْتُلِیَ کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیوں کا ہونا بظاہر ملال کا باعث ہوتا ہے کہ نہ جانے ان کے نصیب کیسے ہوں گے؟ لیکن اس تکلیف پر بھی صبر کرنا حوصلہ سے کام لینا اور لڑکیوں کو بھی لڑکوں کی طرح چاہنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا

Marfat.com

اور ان کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔

موت سے پہلے صدقہ دو

تندرستی کی حالت میں اور ایسے وقت میں صدقہ افضل ہے۔ جب کہ مال کمانے کی خواہش ہوتی ہے۔ کیونکہ حصولِ مال کی حرص اور خواہش یہ تقاضا کرتی ہے کہ بہرحال مال کو روکا اور جمع کیا جائے۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ - يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ (قرآن مجید)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہم نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ موت کے آنے سے پہلے (اور سورۃ بقر میں فرمایا) اے ایمان والو، ہم نے تمہیں جو دیا اس میں سے خرچ کرو،

اس دن سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہے اور نہ کافروں کیلئے دوستی اور شفاعت۔

ان دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ صدقہ و خیرات میں جلدی کرنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور آدمی کفِ افسوس ملے اور کہے کہ کاش میں اگر اور زندہ رہتا تو ضرور صدقہ کرتا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے ایک شخص حضور نبوی حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا جب تو تندرستی میں مال کی خواہش ہوتے محتاجی سے ڈر کر مالداری کی طرح طمع رکھکر صدقہ کرے اور اتنی دیر مت کر کہ جان حلقوم تک آپہنچے، اس وقت تو کہے کہ فلاں کو اتنا دینا

Marfat.com

اور فلاں کو اتنا اور اب تو فلانے کا مال ہو ہی چکا۔ (بخاری)

مطلب حدیث یہ ہے کہ خلوص نیت سے صدقہ کرنا تو بہر حال باعث اجر و ثواب ہے مگر ایسے وقت میں جب کہ آدمی صحیح و تندرست ہوتا ہے اور حصول دولت کی کوشش کرتا ہے اور مال جمع کرنے کی حرص اپنے شباب پر ہوتی ہے اور مال و دولت کی اس کو بھی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ صدقہ کرنا اور بھی زیادہ ثواب کا موجب ہوتا ہے۔ کیونکہ مال کی حرص صدقہ دینے سے رکتی ہے۔ سرمایہ پرست افراد عمر بھر تو بخل سے کام لیتے ہیں اور جب موت کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ اتنا فلاں فلاں کو دے دینا۔ حضور فرماتے ہیں۔ مومن کی یہ کیفیت نہیں ہونی چاہیئے۔ زندگی میں اپنے ہاتھ سے دے جانا ہی اچھا ہے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر خیرات

مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَالِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا (بخاری)

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے خرچ کرے، بشرطیکہ اس کی نیت برباد کرنے کی نہ ہو تو اس کو اس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے خاوند کو کمائی کی وجہ سے اجر ملے گا اور کوئی دوسرے کے ثواب کو کم نہیں کرے گا۔ (بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر شوہر کے مال میں سے بیوی صدقہ دیدے تو اس کو ثواب ملے گا۔ لا ینقص ...... الخ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں کا ثواب برابر ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل اور نیّت کے مطابق ملے گا۔ بیوی شوہر کے مال میں سے اس کی بلا اجازت کسی ایسی چیز کو راہ خدا میں دے دے جس کی اجازت شوہر کی طرف سے ازروئے عرف ہوا کرتی ہے تو جائز ہے مثلاً کوئی فقیر آیا تو کھانا وغیرہ یا آنہ دو آنے دیدیئے۔

غیر مفسدۃ کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کی نیت شوہر کے مال کو ضائع کرنا اور بے دردی

Marfat.com

سے خرچ کرنا نہ ہو یعنی دستورِ عادت سے زیادہ خرچ کر کے شوہر کا نقصان نہ کرے۔ اتنی خیرات نہ کرے جو خاوند پر بار ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ بیوی کو عام طور پر عادتاً جس قدر کی اجازت ہوتی ہے۔ اس سے زائد کی خیرات بلا اجازتِ شوہر جائز نہیں ہے۔ الّا یہ کہ شوہر نے کُلّی طور پر اجازت دے دی ہو کہ جس طرح مناسب خیال کرو، خرچ کر سکتی ہو۔

صدقہ و خیرات کی حد

صدقہ و خیرات کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اس طرح صدقہ و خیرات نہ کیا جائے کہ خود محتاج ہو جائے اور اہل و عیال بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:-

خَیْرُ الصَّدَقَۃِ مَا کَانَ عَنْ ظَھْرِ غِنًی (احمد) وَمَنْ تَصَدَّقَ وَھُوَ مُحْتَاجٌ اَوْ اَھْلُہٗ مُحْتَاجٌ اور عَلَیْہِ دَیْنٌ فَالدَّیْنُ اَحَقُّ اَنْ یُّقْضٰی مِنَ الصَّدَقَۃِ وَالْعِتْقِ وَالْھِبَۃِ وَھُوَ رَدٌّ عَلَیْہِ لَیْسَ لَہٗ اَنْ یُّتْلِفَ اَمْوَالَ النَّاسِ (بخاری)

بہتر صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی مالدار رہے اور جو شخص ضرورت مند ہو کر صدقہ کرے یا اس کے بال بچے اس صدقہ کے ضرورت مند ہوں یا وہ مقروض ہو تو ایسا صدقہ درست نہیں بلکہ قرض ادا کرنا صدقہ اور آزادی اور بخشش پر مقدم ہوگا اور اسکا صدقہ اس کو واپس کر دیا جائے گا اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ صدقہ کر کے لوگوں کے مالوں کو برباد کرے۔

شرائطِ خیرات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خود محتاج نہ ہو نہ اس کے اہل و عیال محتاج ہوں اور اس پر قرضہ بھی نہ ہو۔ تو اگر اس پر قرض ہے تو واجب ہے کہ پہلے قرض ادا کرے۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی واجب ہے اور واجب کی ادائیگی نفل پر مقدم ہے۔ حدیث کے الفاظ فھو رد علیہ میں اسی کا بیان ہے۔

لہٰذا نفلی صدقہ دینے والوں کو چاہیئے کہ پہلے وہ اپنا فرض ادا کریں اس کے بعد اہل و

Marfat.com

عیال پر خرچ کریں، پھر بھی اگر بچ رہے تو صدقہ کر سکتے ہیں۔

مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعْرُوْفًا بِالصَّبْرِ فَيُؤْثِرُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَلَوْ كَانَ بِهٖ خَصَاصَةٌ كَفِعْلِ اَبِىْ بَكْرٍ حِيْنَ تَصَدَّقَ بِمَالِهٖ وَكَذٰلِكَ اٰثَرَ الْاَنْصَارُ الْمُهَاجِرِيْنَ تَصَدَّقَ بِمَالِهٖ (بخاری)

جو شخص لوگوں کے مال برباد کرنے کی نیت سے لے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو برباد کرے گا ہاں جو شخص صبر اور تکلیف برداشت کرنے میں مشہور ہو اور وہ اپنی حاجت پر کسی حاجتمند کی حاجت کو ترجیح دیتا ہے تو جائز ہے جیسے سیدنا ابوبکر صدیق نے اپنا سارا مال صدقہ کر دیا تھا۔ اور اسی طرح انصار نے مہاجرین کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم کیا تھا۔ (بخاری)

مطلب یہ کہ عام حکم تو یہ ہی ہے کہ اس طرح صدقہ وخیرات نہ کرے کہ خود محتاج ہو جائے اور اہل وعیال بھوکے مرنے لگیں اور بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں۔ تاہم اگر کوئی شخص ایسے ضبط و صبر کا مالک ہو کہ اپنی حاجت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دے اور مفلس ہو جانے کے باوجود صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے تو اس کو کل مال راہِ خدا میں دے دینا جائز ہے۔ جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر نے کل مال راہِ خدا میں دے دیا تھا۔

ترمذی و ابوداؤد و حاکم کی حدیث کا مضمون ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج میں ابوبکر سے بڑھ کر صدقہ دوں گا چنانچہ میں نے اپنا آدھا مال بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر دیا اور ابوبکر بھی اپنا مال لے کر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے عمر تم اپنے بال بچوں کے لئے کیا چھوڑ کر آئے۔ میں نے عرض کی نصف مال۔ حضرت ابوبکر سے بھی یہ ہی سوال ہوا تو انہوں نے عرض کی جو کچھ تھا حاضر کر دیا ہے اور بال بچوں کے لئے۔ ؎

اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ — اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ ؎

پروانہ کو چراغ عنادل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

اور یہی کیفیت انصار کی تھی۔ انہوں نے اپنے مال و جائداد میں مہاجرین کو شریک کر لیا

Marfat.com

تھا۔ حتیٰ کہ ایک انصاری نے ایک مہاجر سے یہ کہا میرے نکاح میں دو عورتیں ہیں جونسی کو تم کہو میں طلاق دے دوں تم اس سے نکاح کر لو۔ مہاجر نے جواب دیا نہیں اللہ تم کو مبارک کرے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاری نے بھی اپنی تمام دولت راہِ خدا میں دے دی تھی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

اس سے واضح ہوا کہ اپنی ذات پر اگر اتنا بھروسہ ہو کہ محتاج ہو جانے کے باوجود صبر و شکر اور ضبط سے کام لے گا۔ تو ایسے اشخاص کے لئے کل مال کو راہ خدا میں دے دینا جائز ہے۔

کل مال راہ خدا میں دینا مناسب نہیں

حضرت کعب بن مالک نے عرض کی۔ یا رسول اللہ (جنگ تبوک سے پیچھے رہنے کی) توبہ میں اس طرح کرتا ہوں کہ اپنا مال اللہ اور رسول پر قربان کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کچھ تھوڑا بہت مال

قَالَ اَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَاِنِّيْ اُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِيْ بِخَيْبَرَ ۔ (بخاری)

رہنے دے وہ تیرے حق میں بہت بہتر ہے۔ میں نے عرض کی تو میں اپنا خیبر والا حصہ (اپنے لئے) رہنے دیتا ہوں۔ (بخاری)

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ اپنے کل مال کو راہِ خدا میں خرچ کرے مگر اس طرح کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی گزر بسر بھی ہوتی رہے۔

قَالَ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَّمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ ۔

اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور پہلے اپنے اہل و عیال کو دے اور بہترین صدقہ وہ ہے کہ جس کے بعد بھی مالدار ہی رہے اور جو کوئی سوال کرنے سے بچنا چاہے گا۔ اللہ اسے بچائے گا اور جو شخص بے پرواہی چاہے گا اللہ اس کو بے پرواہ کر دے گا۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ بہترین طریق کار یہ ہے کہ آدمی اس طرح خرچ کرے کہ خود اور اس کے اہل و عیال محتاج نہ ہو جائیں (۲) جن لوگوں کا نان و نفقہ واجب ہے (بیوی بچے وغیرہ)

Marfat.com

پہلے ان کے اخراجات پورے کرنے چاہئیں۔ عام طور پر لوگ یار دوستوں پر تو خوب خرچ کرتے ہیں اور بیوی بچوں کی پرواہ نہیں کرتے یہ بہت ہی غلط طریقہ ہے (۳) ید علیا سے مراد دینے والا ہاتھ ہے اور لینے والا ہاتھ ید سفلی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ سوال کرنا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ ویسے بھی جو شخص کما کھا سکتا ہے اس کو سوال جائز نہیں (۴) من یستعفف کے معنے حرام سے بچنے اور سوال کرنے سے بچنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے جو صبر ضبط سے کام لے گا اور سوال کرنے کی بجائے خود کمانے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوشش وسعی میں برکت عطا فرمائے گا اور غیر کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے گی۔

صدقہ وخیرات پہلے اپنے عزیز واقربا کو دینا چاہیئے

حدیث زیر بحث میں ابدأ بمن تعول کے الفاظ بھی ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو پہلے اپنے اہل وعیال کے اخراجات ضروریات کو پورا کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد دوسروں کو دینا چاہیئے۔ کیونکہ بیوی بچوں کا نفقہ ہے اور صدقہ وخیرات نفل ہے۔

نسائی کی حدیث کا مضمون ہے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے کہاں خرچ کروں؟ فرمایا اپنے اوپر خرچ کر اس نے عرض کی ایک اور ہے فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کر، عرض کی ایک اور ہے فرمایا اپنی اولاد پر خرچ کر، عرض کی ایک اور ہے فرمایا اپنے غلام لونڈی اور نوکر چاکر پر خرچ کر۔ عرض کی ایک اور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بہ نسبت دوسروں کے تجھ سے زیادہ تعلق دار اور مستحق ہو اسے دے دے (یعنی) ایک اور حدیث میں فرمایا اے امت محمد مجھے اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتا۔ جس کے رشتہ دار اس کے سلوک کرنے کے محتاج ہوں اور یہ غیروں کو دے۔ قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا —— ان حدیثوں سے

Marfat.com

آتا ہے غریبوں پہ انہیں پیار کچھ ایسا — خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

حدیث زیر بحث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی شان کا بیان ہے اور اس سے امت کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ صدقہ و خیرات میں جلدی کرنا افضل و بہتر ہے۔ راہ خدا میں جو دینا ہو جلدی دے دو۔ ٹال مٹول سے کام نہ لو۔ کیا معلوم کیا دل کی کیا کیفیت ہو اور شیطان وسوسہ ڈال کر نیکی سے روک ہی دے۔

نیک کام کے لئے چندہ کرنا سنت ہے

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عید کی نماز کے لئے حضور علیہ السلام شہر سے باہر تشریف لاتے وہاں نماز عید دو رکعتیں ادا کیں اور آپ نے نفل نہیں پڑھے۔ پھر

ثُمَّ مَالَ عَلَى النِّسَاءِ وَبِلَالٌ مَّعَهُ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ اَنْ يَّتَصَدَّقْنَ فَجَعَلَتِ الْمَرْاَةُ تُلْقِي الْقُلْبَ وَالْخُرْصَ (بخاری)

آپ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے بلال آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ان کو نصیحت کی اور صدقہ کرنے کا حکم دیا تو کوئی عورت اپنا کنگن دینے لگی اور کوئی بالی۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نیک کام کے صدقہ و خیرات کی تلقین کرنا لوگوں کو ترغیب دلانا اور غربا کی امداد و اعانت کے لئے لوگوں سے کہنا سنت رسول ہے۔

(۲) ابو بردہ بن ابی موسیٰ اپنے والد سے راوی ہیں۔ جب بحضور نبوی کوئی سائل آتا یا آپ سے کسی حاجت کے لئے عرض کیا جاتا تو آپ فرماتے۔

قَالَ اشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا وَيَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَا شَاءَ (بخاری)

لوگو! تم بھی سفارش کرو، تم کو بھی ثواب ملے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا حکم دے گا

اس حدیث سے واضح ہوا غریبوں اور محتاجوں کی امداد و اعانت کے لئے سفارش کرنا اور اپنے دوست و احباب کو کسی غریب کی امداد پر آمادہ کرنا کار ثواب ہے اور یہ کہ اگر کوئی خود کسی کی امداد نہیں کر سکتا تو کسی اور سے کرا دے۔ اس کو بھی ثواب مل جائے گا۔

Marfat.com

واضح ہوا کہ زکوٰۃ وخیرات وغیرہ میں افضل یہ ہے کہ اولاً اپنے عزیز و اقارب کو دی جائے۔
صدقاتِ نافلہ کی رقم وغیرہ تو اپنے ہر عزیز اور رشتہ دار کو دے سکتے ہیں۔ ماں، باپ
بھائی بہن اصول و فروع غرضکہ سب کو دے سکتے ہیں۔ البتہ صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ،
فطرانہ اپنے اصول و فروع، ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ جن کی اولاد میں یہ خود
ہے اور اپنی اولاد، بٹیا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہم کو نہیں دے سکتے۔ صدقہ نفل
دے سکتے ہیں۔ بلکہ انہیں دینا بہتر و افضل ہے۔ نیز زکوٰۃ، فطرانہ، صدقات واجبہ کی رقوم
حسبِ ذیل رشتہ داروں کو دی جا سکتی ہے۔ جب کہ وہ محتاج ہوں، صاحبِ نصاب
نہ ہوں۔ بلکہ ان رشتہ داروں کو دینا افضل و بہتر ہے۔ وہ رشتہ دار یہ ہیں۔ بھائی، بہن،
ان کی اولاد، چچا، پھوپھی، ان کی اولاد، ماموں، خالہ ان کی اولاد وغیرہ

خیرات و صدقات میں جلدی کی جائے

حضرت عقبہ بن حارث نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی۔
پھر جلدی سے باہر تشریف لے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں باہر سے تشریف لائے میں نے
یا اور کسی نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ صدقہ کے مال میں سے ایک

فَقَالَ كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْرًا مِّنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُبَيِّتَهُ، فَقَسَّمْتُهُ (بخاری)

سونے کی ڈلی گھر چھوڑ آیا تھا۔ مجھے برا معلوم ہوا کہ وہ رات کو میرے پاس رہے۔ میں نے اس کو تقسیم کر دیا۔

غربا پروری، بے کس نوازی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعظم اخلاق سے تھی، فیاضی
اور سخاوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت ثانیہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن ابی کہتے ہیں کہ بیوہ اور
مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں حضور کو عار نہ تھا ——— ایک دفعہ حضور نماز
کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک بدو آیا دامنِ اقدس تھام کر عرض کی۔ میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے
ایسا نہ ہو کر بھول جاؤں پہلے اسے کر دیجئے۔ حضور اس بدو کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس کا
کام سرانجام فرما کر پھر نماز ادا فرمائی۔

Marfat.com

حضور علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی مدد میں مصروف ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ کسی جائز کام کے لئے سفارش کرنا جائز ہے۔

(۴) حضرت اسما فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا :- خیرات سے ہاتھ نہ روک ورنہ تیرا

لَا تُوْكِيْ فَيُوْكِيَ عَلَيْكِ وَقَالَ لَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ (بخاری)

رزق روکا جائے گا (نیز فرمایا) گن کر مت رکھ، ورنہ اللہ بھی تجھے گن کر دے گا۔

مطلب حدیث یہ ہے صدقہ و خیرات کھلے دل کے ساتھ دینا چاہیئے۔ خدا کی راہ میں دی گئی رقم کو گنتے رہنا کہ اتنی رقم دے چکا ہوں ؟ پھر اس گنتی کو بوجھ بنا کر صدقہ و خیرات سے رک جانا ٹھیک نہیں ہے۔ خدا توفیق دے تو اللہ کی راہ میں بلا حساب دیجئے۔ اللہ تعالیٰ بھی بے حساب ہی عطا فرمائے گا۔

کافر کو نیکی کا دنیا ہی میں اجر مل جاتا ہے

حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ میں نے بحضور نبوی عرض کی۔ یا رسول اللہ کفر کے زمانہ میں جو میں نے نیکیاں کی ہیں۔ جیسے صدقہ و خیرات، غلام آزاد کرنا اور صلہ رحمی تو کیا ان کا بھی اجر ملے گا۔ حضور نے جواب دیا۔

أَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ (بخاری)

اسلام لایا تو بسبب ان نیک اعمال کے جو تو نے پہلے کئے۔

واضح ہو کہ کافر کا کوئی کام آخرت میں کام نہیں آتا۔ خواہ وہ کتنی ہی نیکیاں کرے۔ آخرت میں اس کا ثواب نہیں ملتا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کافر کے نیک اعمال کی جزا دنیا میں دے دی جائے۔ مثلاً اس کا رزق بڑھا دیا جائے یا دنیا کی عزت اسے حاصل ہو جائے۔ حدیث زیر بحث کا مطلب یہ ہے کہ تو نے جو اسلام قبول کیا ہے تو یہ برکت ہے تیرے ان نیک اعمال کی جو تو نے

Marfat.com

حالتِ شرک و کفر میں کئے تھے۔ چنانچہ حضرت انس سے مرفوعاً مروی ہے۔

اِنَّ الکافِرَ یُثَابُ فی الدُّنیَا بِالرِّزقِ عَلٰی مَا یَفعَلُہٗ مِنْ حَسَنَۃٍ (مسلم) — کافر کو اس کی نیکیوں کا رزق کی زیادتی کے ساتھ دنیا میں ثواب دیا جاتا ہے (فتح الباری ج ۳ صفحہ ۲۳۵)

صدقہ موجب رضاء الٰہی ہے

فَاَمَّا مَنْ اَعطٰی وَاتَّقٰی وَ صَدَّقَ بِالحُسنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلیُسرٰی وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی (قرآن مجید)

اور وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کریں گے اور وہ جس نے بخل کیا اور اور بے پرواہ بنا اور سب سے اچھی کو جھٹلایا تو بہت جلد ہم اسے دشواری کو مہیا کریں گے۔

یہ آیتیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئیں جن میں ایک صدیق اکبر اَلتقیٰ ہیں اور دوسرا امیہ بن خلف اَشقیٰ۔ یہ حضرت بلال کو جو کہ اس کی ملک میں تھے۔ دین اسلام سے منحرف کرنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا۔ اور انتہائی ظلم اور سختیاں کرتا تھا۔ ایک روز حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ امیہؔ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرم زمین پر ڈال کر تپتے ہوئے پتھر ان کے سینے پر رکھے ہیں اور اس حال میں بھی کلمۂ ایمان ان کی زبان پر جاری ہے۔ آپ نے امیہ سے فرمایا۔ اے بدنصیب ایک خدا پرست پر یہ سختیاں؟ اس نے کہا۔ آپ کو اگر اس کی تکلیف ناگوار ہو تو خرید لیجیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گراں قیمت پر بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس میں بتایا گیا کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں یعنی حضرت صدیق اکبر رضائے الٰہی کے طالب ہیں اور امیہ حق کی دشمنی میں اندھا۔

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بھی لوگ صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے اترتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَعطِ مُنفِقًا خَلَفًا وَّعِوَضًا — الٰہی راہِ خدا میں خرچ کرنیوالے کو اس کا عوض عطا فرما۔

Marfat.com

نفلی صدقات رشتہ داروں کو دیجئے

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اہل قرابت کو دینے سے دوہرا ثواب ہوتا ہے ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ اَجْرَانِ الْقَرَابَةُ وَالصَّدَقَةُ (بخاری)

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت ابوطلحہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ مالدار تھے۔ ان کے باغات تھے۔ اور ان سب میں ان کو بیرحا کا باغ بہت پیارا تھا جو کہ مسجد کے سامنے تھا۔ حضور علیہ السلام بھی اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس کا پاکیزہ پانی نوش فرماتے۔ جب آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ..... الخ نازل ہوئی تو ابوطلحہ کھڑے ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ! اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ تم ہرگز بھلائی کو نہیں پہنچیں گے۔ جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور مجھے اپنے سب مالوں میں بیرحا زیادہ پیارا ہے اور اس کو میں اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔ اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھ کو اس کا ثواب عطا فرمائے گا اور میرے لئے آخرت میں ذخیرہ ہوگا۔ یا رسول اللہ آپ جس کام میں مناسب سمجھیں اس کی آمدنی خرچ کیجئے۔ حضور نے فرمایا۔ یہ تو بڑے فائدے کا مال ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔

فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَّمَهَا اَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِيْ عَمِّهٖ (بخاری)

ابوطلحہ نے کہا بہت خوب میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ پھر اس باغ کو اپنے عزیز و اقارب اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔

حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام عید اضحٰی یا عید الفطر کے دن عیدگاہ تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد آپ نے وعظ کیا اور عورتوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت ابن مسعود کی زوجہ زینب بحضورِ نبوی حاضر ہوئیں اور عرض کی میرا کچھ زیور ہے اس کو خیرات کرنا چاہتی ہوں لیکن میرے خاوند ابنِ مسعود کہتے ہیں کہ وہ اور

Marfat.com

اس کا بیٹا اس خیرات کا زیادہ حقدار ہے۔ ان سب لوگوں سے جن پر تو خیرات کرنا چاہتی ہے۔

وَسَلَّمَ صَدَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ زَوْجُكِ وَوَلَدُكِ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهٖ عَلَيْهِمْ (بخاری)

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ابن مسعود ٹھیک کہتے ہیں، تیرا خاوند اور تیرا بیٹا سب لوگوں سے جن پر تو خیرات کر چکی ہے زیادہ حق دار ہیں (بخاری)

یہ سب حدیثیں صدقہ نافلہ سے متعلق ہیں۔ کیونکہ احناف کے نزدیک بیوی کو اور اصول فروع کو صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ و فطرانہ) نہیں دے سکتے۔ نیز حضرت زینب کا بحضور نبوی یہ عرض کرنا۔ کان عندی حلی لی کے الفاظ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کا یہ صدقہ نفلی تھا۔ بہر حال اس حدیث سے واضح ہوا کہ رشتہ داروں پر خیرات کرنا خصوصاً جب کہ وہ نادار و غریب ہوں حتیٰ کہ اپنے خاوند اور بیٹے کو دینا بہ نسبت دوسروں کے دینے سے افضل ہے۔

بیوہ کو زکوٰۃ دینے میں احتیاط کیجئے

یتیموں اور مسکینوں کو صدقہ و خیرات دینا افضل ہے۔ کیونکہ یہ امداد کے مستحق ہوتے ہیں زکوٰۃ کی رقم اگر یتیم کو دی جائے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ خود مالکِ نصاب نہ ہو بہت یتیم اور بیوہ عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو نام کو تو یتیم و بیوہ ہیں لیکن وہ خود مالک نصاب ہوتے ہیں انہیں زکوٰۃ و صدقات دینا جائز نہیں۔

روح ایمان حضور سرورِ عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کی کتاب و سنت کی روشنی میں بیان۔ ایک ایمان افروز باطل سوز تالیف جس کے مطالعہ سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ علامہ رضوی کی متبرک تالیف کتاب و طباعت آفسٹ کاغذ عمدہ سفید قیمت مجلد : ۱۲/۰۰ روپے "مکتبۂ رضوان" گنج بخش روڈ سے طلب کیجئے۔

Marfat.com

مسائل عید الفطر

عید کی سُنتیں

غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، عمدہ لباس پہننا، عید گاہ کو پیادہ پا جانا۔ ایک راہ سے جانا اور دوسری راہ سے واپس ہونا۔ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے قبل کوئی شیریں چیز کھجور وغیرہ کھانا اسی بنا پر ہمارے ملک میں سویاں مروج ہیں کہ کھانا شیریں ہو اور سنت بھی ادا ہو جائے۔ اور عید الضحیٰ میں قبل نماز کچھ نہ کھانا۔

مباجات اور مستحبات

صدقہ کی کثرت کرنا، باہم ملنا، مبارک باد دینا۔ خوشی کا اظہار کرنا، مصافحہ اور معانقہ کرنا۔

عید کی نماز کا وقت

عید کی نماز کا وقت آفتاب کے بقدرِ نیزہ بلند ہونے سے زوال تک ہے اگر نماز پڑھنے میں زوال کا وقت آگیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

نمازِ عیدین

عید کی دو رکعت نماز ہر عاقل و بالغ مقیم تندرست پر شہر میں واجب ہے۔ گاؤں میں عید اور جمعہ کی نمازیں جائز نہیں۔ مگر وہ بڑے گاؤں یعنی قصبے جو شرعاً شہر کا حکم رکھتے ہیں۔ ان میں جمعہ اور عید دونوں کی نمازیں جائز ہیں۔ جمعہ اور عید دونوں کی نمازوں کی صحت اور ادا کی شرطیں ایک ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور عیدین میں سنت۔ دوم جمعہ میں خطبہ نماز سے قبل ہے اور یہاں نماز کے بعد اگر کسی نے عید کی نماز کے بعد خطبہ نہ پڑھا، یا نماز سے قبل پڑھ لیا۔ دونوں صورتوں میں نماز ہو گئی۔ مگر یہ شخص گناہگار ہوا۔

ترکیب نماز عید الفطر

پہلے یوں نیت کی میں نے دو رکعت نماز عید الفطر واجب کی چھ زائد تکبیروں کے ساتھ اس امام کے پیچھے کعبہ شریف

Marfat.com

کی طرف منہ کر کے پھر کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے اور ثنا پڑھے پھر دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر کہتے ہوئے چھوڑ دے۔ تیسری مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے اور بطریق معہود ایک رکعت پڑھے۔ دوسری رکعت میں بعد قرأت قبل رکوع تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر کہتا ہوا چھوڑ دے۔ چوتھی مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جائے۔ بغیر تکبیر کہے رکوع کرے اور حسب دستور نماز پوری کرے۔ نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے۔ تمام مقتدی سنیں اور خاموش رہیں۔ خواہ خطبہ کی آواز پہنچے۔ خواہ نہ پہنچے بعد خطبہ دعا مانگیں۔ سلام، مصافحہ و معانقہ کریں۔

صدقہ فطر

ہر صاحب نصاب پر اپنی اور اپنے بچوں کی طرف سے ۲ سیر تین چھٹانک گندم واجب ہے، گندم کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے (۲) نابالغ اور مجنون مالک نصاب پر صدقہ فطر واجب ہے۔ ان کا سرپرست ان کے مال سے ادا کرے (۳) صدقہ فطر ادا کرنے سے روزہ میں جو خلل واقع ہو اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ (۴) عورت مالک نصاب ہو تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے (۵) صدقہ فطر فجر عید کی طلوع کے بعد واجب ہوتا ہے۔ جو اس سے پہلے مرگیا۔ اس سے صدقہ واجب نہیں اور جو اس سے پہلے پیدا ہوا اس کا صدقہ واجب ہے (۶) روز عید سے پہلے بھی صدقہ فطر کا دینا جائز ہے۔ وہ بوڑھا یا مریض جس سے روزہ ساقط ہو گیا ہے۔ صدقہ فطر اس پر بھی واجب ہے (۷) مستحب یہ ہے کہ فطرانہ عید گاہ جانے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے۔

شوال کے روزے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے عید الفطر کے چھ روزے رکھ لیے تو اس کو پورے سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ ان روزوں کو متفرق رکھنا افضل ہے اور اگر متواتر چھ روزے رکھ لئے تو حرج نہیں

صلوٰۃ علیہ و آلہ

Marfat.com

سفیرِ رسالتمآب حضرت عثمان

۶ ھ میں صلح حدیبیہ سے پہلے جناب رسالت مآبؐ نے حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر اہلِ مکہ سے گفت و شنید کے لئے بھیجا۔ مکہ والوں نے انہیں روک لیا۔ خبر مشہور ہو گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے ایک درخت کے نیچے قصاص عثمان کے لئے بیعت لی۔ چودہ سو قدسی صفت صحابہؓ کرام نے آنجنابؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ حضورؐ نے اپنا دوسرا ہاتھ بیعت لینے والے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا۔ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ اس طرح حضرت عثمانؓ خود بھی بیعت کرنے والوں میں شامل ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس خوشنودی اور شفقت و رحمت سے حصہ پایا، جو ان بیعت کرنے والوں کے حصہ میں آئی۔ سورہ الفتح میں اس بیعت کے بارہ میں ارشاد ہے:۔

"یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہوا۔ جب وہ درخت کے نیچے تجھؐ سے بیعت کر رہے تھے۔ پس اس نے معلوم کیا جو ان کے قلوب میں تھا۔ پھر ان پر سکینت (تسکین) نازل فرمائی اور انہیں فتحِ قریب سے ہمکنار کیا اور بہت سے مالِ غنیمت سے (بھی) جو انہوں نے (بعد میں) پایا۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست (اور) صاحبِ حکمت ہے"۔ (آیہ ۱۸)

اس آیہ مبارکہ میں حق تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے ایمان کی شہادت دی اور قصاص عثمانؓ پر ان کے بیعت کرنے پر اپنی رضا اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اور حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات میں حضرت عثمانؓ کو بھی شریک فرما لیا۔ اسی سورہ میں ارشاد ہے:۔

Marfat.com

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ تیری بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ تو (اب) جس نے یہ عہد توڑا، تو اس نے صرف اپنی جان (کے وبال) پہ عہد توڑا۔ اور جس نے ایفا کی وہ بات، جس کا عہد اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے جلدی اجرِ عظیم دے گا۔"

یہ قصاصِ عثمانؓ لینے کا عہد تھا، جس کے بارہ میں فرمایا کہ جو اسے توڑے گا، اس کا وبال اس کی جان پر پڑے گا اور جو اسے ایفا کرے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اجرِ عظیم پائے گا۔ اسی بنا پر تمام صحابہؓ کرام قصاصِ عثمانؓ پر متفق تھے۔ اختلاف صرف یہ تھا کہ ایک گروہ یہ چاہتا تھا کہ قصاصِ عثمانؓ کو جملہ امور پر فوقیت دی جائے اور قاتلانِ عثمانؓ کو فوراً کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ جبکہ دوسرے گروہ کی یہ رائے تھی کہ فوراً قصاص لینا عملاً ممکن نہیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت دنیائے اسلام کی مظلوم ترین شہادت ہے۔ نہ صرف یہ کہ آپ کو ۸۲ سال کی عمر میں کئی دن بھوکے پیاسے رکھ کے عین اس وقت شہید کیا گیا، جب قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ بلکہ اسلام کے دشمنوں نے ایک سازش کے تحت آپ کی کردار کشی کی مہم بھی شروع کر دی، جس کا شکار کئی محقق اور مورخ بھی ہوئے۔

حضرت عثمانؓ مکہ معظمہ کے ایک متمول اور معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ ابتدائے اسلام ہی میں اپنے دوست اور ہم جلیس حضرت صدیقِ اکبرؓ کی ترغیب سے ایمان لائے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا پانچواں نمبر ہے۔ آپ کو یہ منفرد فخر حاصل ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت کلثومؓ یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں دیں اور اس نسبت سے آپ ذوالنورین

Marfat.com

کہلائے۔ آنجنابؐ آپ کے طرزِ عمل سے اس قدر خوش تھے کہ اپنی دوسری صاحبزادی کے فوت ہونے پر آپ نے فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بیٹی شادی کے قابل ہوں، تو میں اسے بھی عثمانؓ کی زوجیت میں دے دیتا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ نے حضرت عثمان کو اہل مکّہ سے بات چیت کے لئے اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ جب حضرت عثمانؓ کی واپسی میں تاخیر ہوئی اور یہ مشہور ہوا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے، تو جناب رسول پاک نے آپؓ کا قصاص لینے کے عہد پر بیعت لی اور اس دوران اپنا دوسرا ہاتھ بیعت لینے والے ہاتھ پہ رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس بیعت میں شامل ہونے والوں پہ اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ نیز فرمایا کہ ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اسی نسبت سے یہ بیعت، بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے مرنے مارنے کی قسم کھانا، اللہ تعالیٰ نے بہت پسند فرمایا۔

حبشہ کی طرف مسلمانوں نے جو پہلی ہجرت کی تھی، اس میں حضرت عثمانؓ اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ شامل تھیں۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے لئے ہر موقع پر اپنا مال بے دریغ خرچ کیا۔ مدینہ منوّرہ میں میٹھے پانی کا جو ایک کنواں تھا۔ اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ مسجد نبویؐ کی توسیع میں حصّہ لیا۔ اسلام کی ترقی و شادابی کے لئے ہر موقع پر دل کھول مالی امداد دی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی ان دینی خدمات کی بنا پر آپ کو جنت کی بشارت دی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

Marfat.com

محمد ابن عبدالوہاب نجدی اور علامہ شامی

کراچی کے پروفیسر فیروز الدین روحی نے اپنی تالیف آئینہ صداقت میں محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی حمایت میں لکھا ہے کہ شیخ (نجدی) کو بدنام کرنے کے لیے اور انکی دعوت توحید و سنت کو ختم کرنے کے لئے مصری، ترکی اور انگریزی حکومتوں نے ان کو خوب بدنام کیا۔ یہ کام ترکی مصری انگریزی حکومتوں کے تنخواہ دار مولویوں اور پیروں نے کیا۔ علامہ شامی نے نجدیوں کو باغیوں میں شمار کیا ہے اور یہ عبارت ردالمختار شامی سے نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں واقع ہوا کہ عبدالوہاب نجدی کے پیرو نجد سے نکلے اور حرمین پر غلبہ کیا اور یہ لوگ حنبلی مذہب رکھتے تھے لیکن ان کا اعتقاد یہ تھا کہ وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہیں۔ وہ مشرک ہیں۔ اس لئے انہوں نے نجدیوں نے اہلسنت اور ان کے علماء کے قتل کو مباح سمجھا۔ شامی کی اس عبارت کو رضا خانی علماء بڑے فخر سے پیش کرتے ہیں۔ مگر ان کو کیا معلوم کہ ابن عابد شامی نے حکومت کے اثر سے ان غریبوں کو بدنام کیا اور ان کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر کے اپنی دنیا سنبھالی برا ہو اس دنیا پرستی اور سنہری سکوں کا جس کے عوض شامی نے یہ سب کچھ محمد علی پاشا کے حکم سے اور اس کی دولت کے اثر سے لکھا ہے۔ (آئینہ صداقت صفحہ ۴۳ تا ۴۵)

پروفیسر روحی کا یہ انکشاف واقعی پروفیسری کا شاہکار ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ حنفی فقہ کی مشہور عالم کتاب درمختار کے مصنف علامہ عابدین شامی نے عبدالوہاب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ سنہری سکوں کی لالچ میں اور حکومت وقت کے اثر سے لکھا ہے پروفیسر مذکور نے علامہ شامی علیہ الرحمہ کے ساتھ ساتھ علماء بریلوی کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے کہ یہ علماء بھی عبدالوہاب نجدی کے متعلق اچھا خیال نہیں رکھتے۔ اس سلسلہ میں ہماری گذارش

Marfat.com

صرف اس قدر ہے کہ محمد ابن عبد الوہاب نجدی کے متعلق جو کچھ علامہ شامی نے لکھا ہے۔ پروفیسر مذکور کے بزرگ و پیشوا نے بھی علامہ شامی کی تائید و توثیق کی ہے۔ بلکہ علامہ شامی سے کچھ زائد ہی لکھا ہے۔

(۱) مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندی اپنی تصنیف فیض الباری عربی میں لکھتے ہیں۔ محمد ابن عبد الوہاب نجدی کم علم اور کم فہم انسان تھا۔ اس نے کفر کا حکم لگانے میں اسے کوئی باک نہ تھا۔ (مقدمہ فیض الباری)

(۲) مولوی خلیل احمد اپنی کتاب المہند میں لکھتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ المہند وہ کتاب ہے جس پر مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا (یعنی محمد ابن عبد الوہاب نجدی) کا حکم وہی ہے۔ جو صاحب درمختار نے تحریر فرمایا ہے کہ خوارج کی ایک شاخ ہے (المہند صد۱۳)

۳۔ اور سنیئے انگریزوں کے تیسرے تنخواہ دار آپ کی تحریر کی روشنی میں مولوی حسین احمد صاحب مدنی صدر المدرس مدرسہ دیوبند قرار پاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

- محمد بن عبد الوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم اور تمام مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال و جائز بلکہ واجب ہے (رجوم المذنبین صد۵۱)

- نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات برزخ ہے۔ جو افراد امت کو ثابت ہے۔ (رجوم المذنبین ص۵۴)

زیارت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم وحضوری آستانہ شریف ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت حرام لکھتا ہے۔ اس طرف اس نیت سے سفر کرنا محظور و ممنوع جانتا ہے۔ لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد ان کی دلیل ہے بعض ان میں سفر

Marfat.com

زیارت کو معاذاللہ تعالےٰ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں۔ اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ وسلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔ (رجوم المذنبین صہ ۵۵)

- شانِ نبوت وحضرت رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مثل ذات سرور کائنات خیال کرتے ہیں۔ اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانۂ تبلیغ کی مانتے ہیں۔ اور اپنی شقاوت قلبی وضعف اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اب رسولِ مقبول علیہ السلام کا کوئی حق ہم پر نہیں اور نہ کوئی احسان اور فائدہ ان کی ذات پاک سے بعد وفات توسل کو نا جائز کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں کا مقولہ ہے۔ معاذ اللہ معاذاللہ نقل کفر کفر نباشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں اور ذات فخر عالم صلی اللہ علیہ السلام سے تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔ (رجوم المذنبین صہ ۵۶)

- وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالۃ جانتے ہیں اور ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ واہیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے بہت سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت والجماعت کے مخالف ہوگئے۔ چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنعیہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن عمل در آمد ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے موافق جس حدیث کو مخالف فقہ حنابلہ خیال کرتے ہیں اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا بھی مثل غیر مقلدین ہند اکابر امت کی شان میں الفاظ گستاخانہ وبے ادبانہ استعمال کرنا معمول بہ ہے۔ (رجوم المذنبین) صہ ۶۲

- وہابیہ سوائے علم احکام والشرائع جملہ علوم اسرار حقانی وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خالی جانتے ہیں۔ (رجوع المذنبین ۸۲)

Marfat.com

• وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبیح و بدعت کہتے ہیں اور علیٰ ہذالقیاس اذکار اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں (رجوم المذنبین ص۴۳)

اب یہ بات پروفیسر مذکور سے پوچھیئے کہ علامہ شامی تو مصری حکومت کے ایجنٹ تھے۔ بریلوی علماء انگریز کے ایجنٹ تھے۔ جنہوں نے نجدی کو بدنام کیا اور اس کے خلاف ایک محاذ قائم کردیا۔ مگر ذرا اس پر بھی روشنی ڈال کر مشکور فرمائیے۔ مولوی انور شاہ کشمیری، دیوبندی، مولوی خلیل احمد انبیٹھی اور مولوی اشرف علی تھانوی اور آپ کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی کس کے ایجنٹ تھے۔ جنہوں نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کو خارجی گمراہ اور حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرنے والا اور تقلید ائمہ کو شرک قرار دینے والا قرار دیا ہے۔

بات یہ ہے کہ جو بات حق ہوتی ہے وہ اپنی حقانیت کی وجہ سے بہرحال زبان و قلم پر آہی جاتی ہے۔ دیوبندی مسلک کے لوگ (جیسے پروفیسر روحی وغیرہ عبدالوہاب نجدی کی گمراہی و بے دینی پر پردہ ڈالنے کے لیے خواہ کتنی ہی گلیاں کیوں نہ بدلیں دیوبندی مکتبۂ فکر کے اکابر کی تحریرات ان کا ناطقہ بند کر دیتی ہیں۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ محمد ابن عبدالوہاب نجدی کو دیوبندی علماء نے گمراہ و بے دین ہی قرار دیا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ اہلسنت وجماعت بریلوی مکتبۂ فکر کے مقابل آج کے دیوبندی اپنے اکابر کی تصریحات کے خلاف نجدی کی تعریف کرتے ہیں۔

دینِ مصطفٰے | عقائد - عبادات - معاملات - اخلاق و معاشرت سے متعلق کتاب و سنت کی روشنی میں احکام اسلامیہ کا بے نظیر گنجینہ زندگی میں پیش آنے والے نت نئے مسائل سے متعلق اسلامی تعلیمات کا قابل مطالعہ مجموعہ

علامہ رضوی کی تازہ تالیف

قیمت ۲۵ روپے مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور

بعض اہم سوالات کے جوابات

ربوا کی تعریف | مسئلہ بہت تفصیل طلب مسئلہ ہے۔ مختصر جواب یہ ہے۔

اہلِ زبان ربا کے لفظ کو۔ کسی چیز کے بڑھنے۔ زیادہ ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں (قاموس ولسان العرب) واضح ہوا کہ ہر زیادتی خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔ لغتِ عرب میں ربا ہے۔ اسی لغوی مفہوم کے پیشِ نظر فقہاء اسلام نے ربا کی شرعی تعریف یوں کی ہے۔

الربا شرعاً فضلٌ خالٍ عن	یعنی ہر وہ زیادتی جو کسی عوض کے
عِوَضٍ بمعیار شرعی (وھو الکیل	بغیر ہو اور معاوضہ میں ایک
والوزن) مشروط لاحد المتعاقدین	فریق کے ساتھ مشروط ہو۔

فی المعاوضة۔ تنویر الابصار ج ۴ ص ۱۹۶

قرآن مجید نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وذروا ما بقی من الربا۔ جو ربا باقی رہ گیا ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ حکم مطلق ہے۔ اس میں یہ قید نہیں ہے کہ ربا تھوڑا ہو تو لے لو اور زیادہ ہو تو چھوڑ دو۔ اس میں یہ قید بھی نہیں ہے کہ کاروباری قرضوں پہ تو سود لے لو اور ذاتی اور نجی ضروریات کے لئے جو قرض دیا گیا ہے۔ اس کا سود معاف کر دو بلکہ حکم مطلق ہے کہ خواہ کسی بھی غرض کے لئے قرض دیا گیا ہو اس پہ سود لینا حرام و ناجائز ہے۔

قسم کا کفارہ | قسم توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا دس کو کپڑے پہنانا ہے (اتنا کپڑا کہ اس کے عام بدن کو ڈھانپ دے۔ صرف پاجامہ کا کپڑا دینا کافی نہ ہوگا۔ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو لگاتار تین روزے رکھ لے۔ (عام کتب فقہ)

Marfat.com

زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی سزا

—— ۔اس کی وضیت

کا منکر کافر ہے رہی اخروی سزا تو کتاب وسنت میں زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کے لئے سخت وشدید وعید آئی ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا۔ اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس کے مال کو گنجے سانپ کی صورت میں بنا دیا جائے گا۔ جس کی آنکھوں پر دو کالے نشان ہوں گے اور وہ اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال ہوں۔ میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے راستدلالاً سورۃ آل عمران کی یہ) آیت پڑھی۔ جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور وہ اس میں بخیلی کرتے ہیں تو یہ بخیلی اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں۔ بلکہ ان کے حق میں بری ہے جس کے لئے بخیلی کرتے تھے۔ وہ عنقریب قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔

کوے سے متعلق

ہمارے شہروں میں جو کالا کوا جسے زاغ معروف سے موسوم کیا جاتا ہے حلال نہیں۔ قرآن سے اس کی حرمت کو ثابت کرنے کا مطالبہ جہالت ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ کتے کے حرام ہونے کا ثبوت قرآن سے دو؟ حدیث میں کوے کو خبیث قرار دیا گیا ہے۔ میرا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے علماء کوے کو حلال قرار دے کر اسے رغبت سے کھاتے ہیں تو آپ انہیں کوے کھانے دیں۔ بالجبر روکنے کی ضرورت کیا ہے۔ اپنا اپنا ذوق ہے۔ کسی کو حلال جانوروں کا گوشت پسند ہے اور کسی کو کوے جیسے نجاست خور خبیث جانور کا گوشت۔

سوال :۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ (نعوذ باللہ) آپ مر کر مٹی میں مل گئے ہیں۔ آپ ہمارے جیسے ہیں اور آپ کی قبر انور سب سے

Marfat.com

بڑا بت ہے۔ اس شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔ ایسا شخص سخت گمراہ و بے دین ہے۔ اس کو امام بنانا گناہ اور اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنا باطل محض ہے۔

ذات بدلنا :۔ ہمارا طریقِ تبلیغ نفس مسئلہ کا اظہار و بیان ہے۔ نام لینا خصوصاً اس معاملہ میں ہم اس لئے مناسب نہیں سمجھتے کہ ضد و عناد کی فضا پیدا ہوئی ہے۔ بہر حال مسئلہ یہ ہے جو شخص واقعی سیّد نہیں ہے اور پھر اپنے کو سیّد کہلاتا یا کہلواتا ہے۔ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من ادعی الی غیر ابیہ (بخاری و مسلم) جو اپنے کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ لا یقبل منہ صرف ولا عدل ایسے جرم کے مرتکب شخص کے صرف و عدل بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں۔ صرف سے شارحین نے فرائض شفاعت، توبہ اور عدل سے نوافل۔ فدیہ گناہ مراد لئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو واقعی سید نہیں پھر اپنے کو سید کہے تو اس کے فرض و نفل و توبہ۔ بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں اور شفاعت سے بھی محروم رہے گا۔ اتنی شدید وعید سن کر تو مومن کا دل لرز جاتا ہے۔

بحضور ربّ العلمین اے اپنے مجبور بندوں کی آخری امید گاہ مشکلات کے اندھیروں اور مصائب و آلام کے طوفانوں نے گھیر رکھا ہے۔ اپنی رحمتوں کے سہارے منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ اے کارسازِ عالم اپنے مقدس رسول اور طیب و طاہر معصوم محبوب کی شاداب تجلیوں اور چمکتے ہوئے نورانی تلوؤں کے صدقے ہمارے رستے ہوئے زخموں اور بھیگی ہوئی پلکوں پر رحم فرما دے۔ ہمیں ایمان و اخلاص کی دولت عطا فرما۔ اپنے اور اپنے مقدس رسول کی اطاعت و اتباع کی توفیق رفیق دے۔

Marfat.com

بریلوی حضرات کے اکابر سے

رسالہ البلاغ کراچی کے مدیر محمد تقی عثمانی صاحب نے مذکورہ بالا عنوان سے ایک اداریہ رقم کیا ہے جسے دیوبندی مکتب فکر کے تقریباً تمام رسائل نے خصوصی طور پر البلاغ سے نقل کر کے چھاپا ہے۔ اداریہ ایک اپیل کی شکل میں ہے خلاصہ اس کا صرف یہ ہے'

کفر والحاد کی تمام طاقتیں نفسِ اسلام کی بنیادوں پر حملہ آور ہیں۔ نئی نسل کے ذہنوں سے خدا ورسول دین ومذہب قیامت وآخرت ہی کے تصور سے بے گانہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر افسوس بریلوی حضرات کے ماہنامہ رسالے علماء دیوبند کے خلاف ناقابلِ برداشت مواد شائع کر کے اسلام دشمن طاقتوں کو قوت پہنچا رہے ہیں۔ گفتگو کسی موضوع پر ہو بالآخر اس کی تان علماء دیوبند کی مخالفت بلکہ دشنام طرازی اور تکفیر وتفسیق پر توڑی جاتی ہے اور یہ کہ بریلوی حضرات کی علماء دیوبند پر تنقید سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ اس دور میں تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(شمس الاسلام بھیرہ اکتوبر ۷۶ء۱۹)

یہ ہے البلاغ کے اداریہ کا خلاصہ جسے مدیر البلاغ نے انتہائی چالاکی اور چابکدستی کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا ہے کہ جیسے ظلم تو صرف بریلوی ہیں۔ ورنہ دیوبندی حضرات کو دین کے دیگر اہم کاموں میں ایسی مصروفیت ہے کہ انہیں اس قسم کی باتوں پر تنقید وتبصرہ کی فرصت کہاں ؟

بات اگر واقعی خلوص ودیانت سے کہی جائے تو وہ ضرور اثر دکھاتی ہے۔ لیکن اگر دل میں جماعتی تعصب رکھ کر جیو اور جینے دو کے مضمون کو حسین وجمیل الفاظ کی بندشوں کے ذریعہ پیش کیا جائے تو وہ بالکل بے اثر ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی مکتب فکر اور ان کے ہم مسلک دوسرے مکاتب کی یہ قدیمی عادت ہے کہ اپنے جارحانہ

Marfat.com

انداز اور مسلمانوں کو بات بات پر مشرک اور بدعتی قرار دینے کے فتووں کے باوجود انتشار
و افتراق کا الزام بریلویوں ہی کے سر دھرتے رہتے ہیں۔ مجھے حیرت بھی ہے اور افسوس بھی
کہ لائل پور کے جریدہ المنبر کے مدیر جن کی تحریر و تقریر عموماً غیر جانب دارانہ ہوتی ہے۔ انہوں
نے بھی اس سلسلہ میں جو اپیل المنبر میں شائع کی اپنے دامن کو جانب داری سے نہ بچا سکے صرف
زلزلہ ایسی کتابوں کا تو حوالہ دے دیا مگر دیوبندی مکتبہ کے حالیہ شائع کردہ متعدد جارحانہ انداز
کے مضامین و جرائد و رسائل و کتب کا نام تک نہ لیا۔

ے مدیر البلاغ تو ان کی اپیل تو سر تا پا نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے
اتفاق و اتحاد کی اپیل کے پردہ میں زبردست چیلنج دیا ہے کہ بریلویوں باز آ جاؤ۔ ورنہ ہم بھی
خم ٹھوک کر میدان میں مقابلہ کے لئے آجائیں گے۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"ہم نے اور ہماری طرح اکابرِ دیوبند سے وابستہ دیگر رسائل و جرائد نے ابھی تک
اس صورت حال کا نوٹس نہیں لیا اس کے باوجود اگر بریلوی مکتب فکر کے اکابر علماء اس
طوفان کو روکنے کے بجائے ان لوگوں کی بالواسطہ یا بلاواسطہ حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے، جو
شیشہ کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر برسا رہے ہیں، تو پھر دوسرا فریق بھی یقیناً
اس بات پر مجبور ہو گا کہ وہ کچھ عرصے کیلئے دوسرے اہم کاموں کو ملتوی کر کے اس مسئلہ کو نمٹائے"

(شمس الاسلام ص ۲۴ ۲۲)

غور کیجئے! (جو شخص خواہ کسی بھی مکتبِ فکر سے متعلق ہو) مگر ملت کی بھلائی کا درد
رکھتا ہو وہ اتفاق و اتحاد کی اپیل کا یہ انداز اختیار کر سکتا ہے؟

میری اس تحریر پر تنقید و تبصرہ بمعنی مکابرہ و مجادلہ کی بہت گنجائش ہے مگر انصاف و
دیانت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ کیا کوئی عقل و خرد کا مالک یہ کہہ سکتا ہے۔ تالی دونوں
ہاتھوں سے نہیں ایک ہاتھ سے بجتی ہے؟

پھر مدیر البلاغ کا یہ فرمانا کہ بریلوی ماہنامے علماء دیوبند کے خلاف ناقابل برداشت

دشنام طرازی کر رہے ہیں۔ مجھے بتایا جائے کہ وہ کونسا بریلوی ماہنامہ ہے جو ناقابل برداشت دشنام طرازی کر رہا ہے۔

اس کے برعکس۔ ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ البلاغ (کراچی سے لے کر الحق، اکوڑہ خٹک تک علماء بریلی کے متعلق صرف ناقابل برداشت دشنام طرازی پر ہی اکتفا نہیں کی جارہی بلکہ انہیں تو بریلوی اخبار وار سائل کا اپنے مضامین میں اپنے اکابر کی مثبت انداز میں مدح و ثناء بھی بری لگتی ہے حالانکہ امر واقعہ یہ ہے' دیوبندی جرائد میں جتنی مدح و ثناء دیوبندی علماء و مشائخ ہوتی ہے اتنی تو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نہیں ہوتی۔

رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی مختصر سوانح شائع ہوئی تو اہل حدیث نے اس پر بھی تنقید کی کہ تاریخ کو مسخ کیا جارہا ہے۔ احمد رضا تو انگریز کا ایجنٹ تھا۔ معاذ اللہ، حالانکہ اس مضمون میں دیوبندی وہابی جنس کی کوئی بات نہ تھی۔ صرف اعلیٰ حضرت کے علمی و عملی کارناموں کا ذکر تھا ــــــــــ مثبت انداز میں بھی بریلوی اگر اپنے اکابر کی مدح و ثناء کریں تو یہ بھی گوارہ نہیں ہے کیا ہی انصاف ہے۔

اور لیجئے ۱۴ر مئی ۱۹۷۶ء کے خدام الدین لاہور کی گوہر افشانی ملاحظہ کیجئے (واضح رہے یہ جریدہ مولانا عبید اللہ انور صدر جمعیۃ علماء اسلام کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے) اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے متعلق لکھتا ہے۔

یہ لوگ (بریلوی) انگریزی روایات کے علمبردار ہیں۔ انگریزی سیاست و تہذیب کا شجرہ ہمیشہ ان کی وراثت میں آیا ہے اور جو مکر و فریب اور بد دیانتی انگریز کا طرۂ امتیاز تھا۔ وہی آج ان کا سرمایہ ہے۔ جب یہ صورت حال ہے تو انہوں نے اپنے پدر بزرگوار انگریز کی ملعون پالیسی کے مطابق "لڑاؤ اور حکومت کرو" کا اصول باضابطہ طور پر اپنایا ہوا ہے اور یہی اصول ہمارے مذہبی سر پھٹول کا باعث بنتا ہے۔ ہم بغیر کسی جھجک کے یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بریلی کے جس مجدد فسق و تضلیل۔ الخ

اگرچہ مجھے اپنے علمی مشاغل کی وجہ سے اتنی فرصت نہیں ہے کہ اس قسم کے مضامین کا

Marfat.com

ہم جس بات کو کتاب و سنت کی روشنی میں حق سمجھتے ہیں مثبت انداز میں اسے پیش کر دیتے ہیں۔ سب و شتم اور افترا پردازی جارحانہ انداز سے اپنے دامن کو بہر حال بچاتے ہیں۔

اپنے موقف کے ثبوت کے لئے بھی صرف اہل حدیث لاہور اور خدام الدین لاہور کی تحریر کے چند لفظ لکھ دیئے ہیں۔ تاکہ انصاف و دیانت سے کسی بات پر غور کرنے والوں پر اصل صورتِ حال منکشف ہو جائے۔ مدیر البلاغ سے بھی گذارش ہے کہ اگر آپ اپنی اپیل میں مخلص ہیں تو خدا خوفی کے ساتھ اس پر غور و فکر فرمائیں اور اپنے ہی الفاظ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر اپنے ہم مسلکوں کے شہتیر بھی ملاحظہ فرمائیں کیونکہ شیشہ کے مکان میں بیٹھ کر تو تنکا بھی نظر آجاتا ہے۔

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی
ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید

Marfat.com

Marfat.com

ماہنامہ
رضوان
لاہور پاکستان

فون نمبر ۶۰۳۵۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۴۷۳

دینِ مصطفیٰ

علیہ التحیّۃ والثناء

تالیف
علامہ سید محمود احمد رضوی

عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق معاشرت سے متعلق قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کا قابل مطالعہ مجموعہ۔

نماز - روزہ - حج - زکوٰۃ اور زندگی میں پیش آنے والے نت نئے مسائل سے متعلق احکامِ شرعیہ کا بے نظیر گنجینہ - بچوں، جوانوں، مستورات، کالج و سکول کے طلباء وطالبات کے لئے دینیات کی آسان اور عام فہم کتاب ایک ایسی کتاب جو زندگی کے ہر موڑ پر آپ کی رہنمائی کرے گی۔ اِس کتاب میں حضور علیہ السلام وخلفائے راشدین وازواجِ مطہرات کی مکمل سوانحِ حیات بھی درج ہے۔ کتابت وطباعت آفسٹ، کاغذ ولایتی، صفحات ۵۰۰، ھدیۂ مبلغ ۲۱ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیجکر **مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور** سے طلب فرمائیں

Marfat.com

ماہنامہ رضوان لاہور پاکستان

فون نمبر ۶۰۴۵۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۴۷۳

دینِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

تالیف
علامہ سید محمود احمد رضوی

عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق معاشرت سے متعلق قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کا قابل مطالعہ مجموعہ۔

نماز - روزہ - حج - زکوٰۃ اور زندگی میں پیش آنے والے نت نئے مسائل سے متعلق احکامِ شرعیہ کا بے نظیر گنجینہ - بچوں، جوانوں، مستورات، کالج و سکول کے طلباء و طالبات کے لئے دینیات کی آسان اور عام فہم کتاب ایک ایسی کتاب جو زندگی کے ہر موڑ پر آپ کی رہنمائی کرے گی - اس کتاب میں حضور علیہ السلام و خلفائے راشدین و ازواجِ مطہرات کی مکمل سوانحِ حیات بھی درج ہے - کتابت و طباعت آفسٹ، کاغذ ولایتی، صفحات ۵۰۰، ہدیہ مبلغ ۲۱ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیجکر **مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور** سے طلب فرمائیں

Marfat.com